عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

غزالی

شوال، ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ / جولائی، اگست ۲۰۱۶ء

Reg No. P476

جلد: چاردھم

شمارہ: 11,12

فہرست

فی شمارہ : 15/- روپے　　سالانہ بدل اشتراک : 200/- روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com
zayadtariq@hotmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

ترکیہ کی فوجی بغاوت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ہے عیاں یہ خبر تتار کے فسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہ شعر علامہ اقبال نے ترکیہ کے بارے میں کہا تھا کہ وہ قوم جس نے مسلمانوں سے ٹکرا کر انھیں پاش پاش کر دیا بالآخر علما و مشائخ کی کوششوں سے مسلمان ہو کر اسلام کی خادم بن گئی اور خلافتِ عثمانیہ کی شکل میں ۸۰۰ سال تک انھوں نے اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور بحیرۂ روم کی سُپر پاور کے طور پر پورے یورپ پر چھائے رہے۔ یہ خلافتِ عثمانیہ اہلِ کفر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ آخر کار بہت سی سازشوں کے بعد ترکوں کو لڑا لڑا کر اتنا کمزور کر دیا گیا اور دینی طبقے کو یہودی خاندان کے ایک آدمی کمال کی زیرِ قیادت جہاد کے نام پر اتنا کترا گیا کہ جب اقتدار کمال کے حوالے ہوا تب پتہ چلا کہ وہ یہودیوں کی رسوائے زمانہ تحریک فری میسن کا ممبر تھا اور اس کی والدہ یہودی تھی۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبر لائیڈ جارج (David Lloyd George) سے سوال کیا گیا کہ آپ نے اتنی لڑائی کے بعد اقتدار مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو اس پر لائیڈ جارج نے جواب دیا کہ میں نے تب اقتدار حوالے کیا جب وہاں سے خلافت اور شریعت کا خاتمہ کیا اور اقتدار ہمارے ایجنٹ کے ہاتھ میں آ گیا۔ کمال کی اس حرکت پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا:

چاک کر دی تُرک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

(ترجمہ) ترکِ نادان یعنی کمال نے خلافت کا جبہ چیر پھاڑ دیا۔ اپنے لوگوں کی سادگی کو بھی دیکھو اور دشمنوں کی چالاکی کو بھی دیکھو۔

کمال نے ریاست کو سیکولر (لادینی) ریاست بنا دیا۔ انگریزی لباس، ڈاڑھی مونڈنا لازم

قرار دیا، اذان اور جماعت کی نماز عربی کی بجائے ترکی زبان میں کر دی، دینی لوگوں کو بہت زیادہ اذیتیں دے کر، ذلیل کر کے اور سرکاری نوکریوں سے محروم کر کے کنارے لگا دیا گیا۔ فوج کو تو انتہائی بے دین بنا کر اندھیر نگری کر کے شریکِ اقتدار کر دیا گیا چنانچہ فوج نے اس سے پہلے بھی کئی بار گشت و خون کر کے جمہوری حکومتوں کو، جو سیکولرازم کو تبدیل کرنا چاہتی تھیں، اقتدار سے محروم کیا۔ فتح اللہ گولن جیسا آدمی نظامِ تعلیم پر چھا گیا، نوجوانوں کی ذہن سازی کی اور ان بے دین (سیکولر ;Secular) نوجوانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں داخل کر دیا۔ اس طرح فتح اللہ گولن کا یہودی نواز اور امریکی نواز سیکولر ذہن اہم پوسٹوں تک پہنچ گیا۔ یہی عنصر موجودہ بغاوت کا ذریعہ بنا۔

موجودہ ترکی قیادت ہمارے ملک کے لیڈروں کی طرح نہیں جو قوم کا پیسہ لوٹ کر عربوں، کھربوں روپے سرمایہ جمع کر کے اور الیکشن میں بے دریغ پیسہ جھونک کر اقتدار میں آ گئے ہیں بلکہ طیب اردگان، عبداللہ گل اور ان کے ساتھی دینی و دنیاوی علم سے لیس دانشور ہیں اور انتھک محنت کر کے انھوں نے یہ بات ثابت کی کہ وہ عوام کے خادم ہیں۔ اسی لئے طیب اردگان کی ایک آواز پر خالی ہاتھ نہتے عوام سڑکوں پر نکل آئے اور مسلح فوج اور اس کے ٹینکوں کے آگے کھڑے ہو گئے۔ مشہور نقشبندی بزرگ شیخ محمود آفندی (عمر سو سال) کے مرید تو ٹینکوں کے آگے دیوار بن کر کھڑے ہوئے۔ اس طرح نہتے عوام نے مسلح فوج کو بے بس کر کے رکھ دیا۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں یہ ایسا واقعہ ہے جس نے امت کے چہرے سے سقوطِ ڈھاکہ کا داغ دھو دیا۔ اس کارکردگی نے ثابت کر دیا کہ ریاست کے تین عناصر زمین (Territory)، عوام (Public) اور اقتدارِ عالیہ (Sovereignty) میں سے عوام ہی وہ قلیدی عنصر اور ریڑھ کی ہڈی ہیں جن پر ریاست کا وجود قائم ہے۔ عوام جو مزدور، کسان، سرمایہ دار (Investor)، کارخانہ دار (Industrialist) کی شکل میں ہیں، اپنے اپنے شعبوں میں جو محنت کرتے ہیں تو سرمایہ وجود میں آتا ہے۔ اسی سرمائے کی وجہ سے سیاسیہ، عدلیہ، انتظامیہ اور عسکریہ خدمت کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اگر عوام کا کمایا ہوا سرمایہ نہ ہو تو یہ سارے بیکار ہو جائیں۔ خدا کا شکر ہے کہ سزائے موت کی شرعی سزا جو پہلی حکومتوں نے یورپی یونین میں شامل ہونے کے لئے موقوف کر دی تھی موجودہ حکومت اس کو بحال کرنے کے لئے سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

ایک دفعہ کا واقعہ

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر وصدر شعبۂ عربی، پشاور یونیورسٹی زندہ تھے کہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کسی باہر ملک میں The Message فلم دیکھ کر ساتھ لے آئے اور پشاور یونیورسٹی میں یہ فلم لوگوں کو دکھا دی۔ یہ فلم حضور اقدس ﷺ کی زندگی کے بارے میں کفار نے بنائی تھی اور ایسی حرکت اور جسارت شریعت میں توہینِ رسالت ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کی مجلس میں ایک مجذوب بزرگ بابا خیال محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیا کرتے تھے جو پشتو، انگریزی، اردو، تینوں زبانوں میں معرفت اور تکوینی بول بولا کرتے تھے۔ جب ان کو پتہ چلا کہ پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے ایسی فلم دکھائی ہے تو فوراً بول پڑے:

"Now this person will suffer physically, mentally and monetarily."

دوسرے دن میں خیبر میڈیکل کالج گیا تو پیتھالوجی ڈیپارٹمنٹ کی لیبارٹری میں وائس چانسلر صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور دل کی بیماری کے لئے ٹیسٹ کروا رہے تھے۔ کچھ ایسا ہی حال نواز شریف کا بھی ہوا کہ ممتاز قادری رحمۃ اللہ علیہ کی پھانسی کے بعد تختِ شاہی سے اتار کر مریضوں کے بستر پر ڈال دیا گیا۔ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے اللہ کو ہی معلوم ہے۔ میاں صاحب کو جو تین سال پورے ہونے کی تسلی نصیب ہوگئی تو فوراً مسلمانوں کے خطرناک دشمن پرویز مشرف کو بحفاظت ملک سے باہر نکال دیا اور ممتاز قادری کی پھانسی کی شکل میں اپنی تاریخ میں ایک عبرتناک باب لکھ دیا۔ دوسرے بھائی نے حقوقِ نسواں کا قانون منظور کرلیا۔ اس سب کا خمیازہ جب یہ مستقبل کے الیکشن میں بھگتیں گے تو سر پیٹ کر رہ جائیں گے۔ آخرت کی رسوائی اور جہنم کی آگ کی لپٹیں اس پر مزید ہیں۔

جسٹس ریٹائرڈ میاں نذیر اختر ایک عشرے سے زیادہ تک لاہور ہائی کورٹ کے جج رہے۔ اس سے پہلے پچیس سال تک وکالت سے وابستہ رہنے کے ساتھ ساتھ سولہ سال تک قانون کے استاد

کے طور پر یونیورسٹی لاء کالج میں پڑھاتے رہے۔ ملک کے بڑے نامور وکلا اور جج حضرات ان کے شاگرد رہ چکے ہیں۔ جسٹس ریٹائرڈ میاں نذیر اختر ممتاز قادری کیس میں پہلے دن سے بطور وکیل منسلک رہے۔ ماہنامہ غزالی کے اداریہ میں میاں نذیر اختر صاحب کے حوالے سے ممتاز قادری کیس پر تبصرہ پہلے بھی آچکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ایک مسلمہ ضرورت ہوتی ہے کہ استغاثہ اپنے مقدمے کو ہر قسم کے شک وشبہے سے بالاتر ثابت کرے۔ استغاثہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ گواہوں خصوصاً عینی شاہدین کو پیش کرے۔ لیکن اس مقدمے میں عجیب بات ہوئی کہ ایک طرف ایلیٹ فورس کے انتیس گواہوں کو پیش نہیں کیا گیا اور دوسری طرف سلمان تاثیر کے دوست وقاص شیخ، جو کہ ان کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے ہوٹل گئے تھے اور آخری وقت تک ساتھ رہے، کو بھی بطورِ گواہ پیش نہیں کیا گیا۔ اس کے باوجود فیصلہ ممتاز قادری کے خلاف آگیا ہے۔ واضح رہے کہ وقاص شیخ کو استغاثہ کی طرف سے پیش کیے گئے ابتدائی نقشے میں سلمان تاثیر کو گولی لگتے وقت صرف پانچ فٹ کے فاصلے پر پوائنٹ نمبر تین پر دکھایا گیا تھا۔ اِس قدر اہم گواہ، سلمان تاثیر کا انتہائی قریبی دوست اور موقع کا عینی شاہد بھی گواہ کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکا۔

اسے اِس لیے استغاثے نے پیش کرنے سے گریز کیا کہ اسے پیش کیا گیا تو وہ سلمان تاثیر کے اس آخری مکالمے کے بارے میں سب کچھ اگلنے پر مجبور ہوسکتا ہے، جو سلمان تاثیر اور ممتاز قادری کے درمیان ہوا، اور جس میں سلمان تاثیر نے تحفظ ناموس رسالت قانون کے بارے میں انتہائی اشتعال انگیز زبان استعمال کی تھی۔ شاید استغاثہ کو خطرہ تھا کہ وقاص شیخ کی گواہی ممتاز قادری کے حق میں چلی جائے گی۔

عدالت نے ہر بوجھ ملزم پر ڈالا اور استغاثہ کو اپنا کیس ثابت کرنے کے بوجھ سے آزاد کر دیا۔ ۲۹ گواہوں کی گواہی کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے ترک کر دیا اور وقاص شیخ کے بارے میں کوئی وجہ نہیں بتائی گئی کہ ان کا نام گواہوں سے کیوں خارج کیا گیا۔''

جسٹس ریٹائرڈ میاں نذیر اختر صاحب کی اس ماہرانہ رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ قانونی تقاضے پورے کیئے جاتے تو ممتاز قادری کیس کی نوعیت یکسر بدل جاتی اور فیصلہ اس سے کچھ مختلف ہوتا۔

مشاورتی اجلاس دارالعلوم دیوبند

(مولانا سجاد احمد نعمانی صاحب حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ کے فرزند ہیں۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے مشاورتی اجلاس منعقدہ شعبان ۱۴۴۳ھ میں چند اہم تجاویز اکابرین کے سامنے پیش کیں جو ان کے اپنے الفاظ میں پیش خدمت ہیں۔)

یہ مشاورتی اجلاس ہے، دو تین عملی مشورے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے افراد کی تیاری کے سلسلے میں مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم نے جس تجویز کو بہت زور دے کر پیش کیا ہے، میں اپنی سعادت اور اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے اس کے ایک ایک لفظ کی تائید کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہی عملی حل ہے ورنہ ہم بار بار جمع ہوتے رہیں گے اور کچھ نوحے کچھ ماتم کرتے رہیں گے اور میدان کسی اور کے ہاتھ چلا جائے گا۔ اس میں اضافہ کہہ لیجئے یا ایک توجہ دہانی کہہ لیجئے کہ جو مشکل عام طور پر ہمارے ائمہ حضرات کو، علما کو، جامع مسجد، اور شہروں کی اہم مساجد کی خدمت کرنے والے علما کو، خود اپنے اندر کے لوگوں سے پیش آرہی ہے، میں اس کی طرف بھی احتیاط کے ساتھ اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے مسلک کی جتنی مسجدیں ہیں ان کے انتظامات کرنے والے زیادہ تر دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار نظر آتے ہیں، اور وہاں دعوت کے جو اصول ہیں اور اس کے جو فطری اور سمجھ میں آنے والے تقاضے ہیں ان کی وجہ سے یہ احتیاط کی جاتی ہے کہ اس مخصوص انداز اور مخصوص نمبروں کے سوا کوئی اور بات نہ کی جائے۔ بہت سے ہمارے علماء جو ہماری ان مسجدوں کے منبروں سے عوام کی ذہن سازی کرنا بھی چاہتے ہیں اور درسِ قرآن اور درسِ حدیث وغیرہ کے حلقوں کے ذریعے سے اس قسم کے گمراہ کن خیالات سے امت کو اور بالخصوص نوجوانوں کو بچانا بھی چاہتے ہیں، وہ نہیں کر پاتے، اس

وجہ سے کہ دعوت وتبلیغ کے ذمہ دار حضرات ان علماء کو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ میری بہت ہی عاجزانہ عملی گزارش یہ ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند نے ایسا بیڑا اٹھایا ہے، اور دارالعلوم ہی کا یہ مقام و منصب ہے، اور اسی سے امت کو توقعات ہیں، تو کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اس اجلاس کی طرف سے ایک تجویز منظور کی جائے اور ہمارے اکابرین دارالعلوم، جتنے حضرات یہاں پر تشریف فرما ہیں، یہ نظام الدین مرکز کے اکابرین سے گفتگو کریں اور ان کو اس طرف توجہ دلائیں کہ دعوت وتبلیغ کے اصولوں کی پوری حفاظت کرتے ہوئے علمائے کرام کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ مساجد کے اندر درسِ قرآن کے حلقے ہوں، درسِ حدیث کے حلقے ہوں۔

میں نے ایک تجربے سے یہ سمجھا ہے۔ ہمارے شہر لکھنؤ میں والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ قرآن کے حلقے ہوتے تھے اور درسِ حدیث کے حلقے ہوتے تھے۔ اور درسِ قرآن اور درسِ حدیث کے حلقوں میں وہ لوگ بہت دلچسپی سے شریک ہوتے ہیں جو عام طور پر اس قسم کے مسائل پر غور کرنا چاہتے ہیں، اور ہمارے حضرات درسِ قرآن کے اندر ضمناً ایسی ذہن سازی کرتے تھے کہ اس کی وجہ سے پھر گمراہ کن خیالات کو قبول کرنا ان شرکائے درس کے لئے مشکل ہوجاتا تھا، اور بغیر اس کے کہ کوئی منفی بحثیں چھیڑی جائیں، مناظرانہ گفتگو کی جائے، ایسی ذہن سازی ہوجاتی تھی۔ اور شہروں میں بھی ہمارے حضرات علماء کے درس کے حلقے ہوتے ہیں اور وہاں یہ فائدہ موجود ہے۔ ایک تجویز تو میری یہ ہے۔ امید ہے اس پر غور کیا جائے گا۔

دوسری تجویز میری ایک اور ہے۔ میں ہمت کر کے اپنا فرض سمجھتے ہوئے اس کو عرض کرتا ہوں۔ بہت عرصے سے میرے دل میں ہے کہ اربابِ دارالعلوم اس موضوع پر غور فرمائیں۔ مجھ ناچیز کا خیال ہے کہ اکابرِ دارالعلوم کو سعودی حکومت سے ایک سنجیدہ اور باضابطہ گفتگو کا آغاز کرنا چاہئے۔ میں خود سعودی عرب میں رہا ہوں اور اسی جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) کا طالب علم ہوں جہاں سے

غیر مقلدیت کا یہ سارا مسئلہ پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ آٹھ، نو سال میرے وہاں گزرے ہیں۔ میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ رابطۂ عالم اسلامی نے وہ تجویز پیش کی جس کے ایک حصے کو ہمارے حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے نقل کیا اور یہ بھی صحیح ہے کہ سعودی حکومت کا اپنا مسلک جو اعلانیہ ہے وہ حنبلی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہاں کے بہت سے علماء کا مسلک کچھ اور ہے، لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر مقلدیت کے اس فتنہ کو اصل میں ساری طاقت سعودی حکومت سے پہنچ رہی ہے۔ اس کو نظر انداز کیا جائے گا تو ہم فتنہ کی جڑ اور فتنہ کے سر چشمے کو کچلے بغیر، اس کے امتدادات اور اس کے تسلسل اور اس کے باہر پہنچنے والے اثرات ہی سے لڑتے رہیں گے۔

میں حوالے کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں سعودی حکومت کا جو شعبۂ دعوت و ارشاد ہے اور اس کا جو شعبۂ ''توعیۃ الجالیات'' ہے، اس کے حائل کے مرکز کے زیرِ اہتمام ابھی کچھ دنوں پہلے ایک تقریب کی گئی ہے۔ اس تقریب کی سی ڈی لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا میں پھیلائی گئی ہے۔ اس تقریب کا عنوان ہے: ''صرف قادیانی ہی کافر کیوں؟'' اس پوری تقریب کا خلاصہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی بلا وجہ بدنام ہے، ان سے پہلے اس طرح کی کفریات حنفیوں اور صوفیوں کے بڑے بڑے بزرگ بک چکے ہیں۔ اور جن بزرگوں کے اس میں نام لئے گئے ہیں ان میں سے چند کے نام لیتا ہوں۔ ان میں ایک نام ہے ملا علی قاریؒ کا، دوسرا نام ہے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا، تیسرا نام ہے نابغۂ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا، چوتھا نام ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کا اور آخر میں کہا گیا ہے کہ پوری جماعت دیو بند قادیانیوں کی طرح کافر ہے۔

یہ تقریر سرکاری وزارتِ مذہبی امور کے شعبۂ دعوت و ارشاد اور توعیۃ الجالیات کی طرف سے پوری دنیا میں تقسیم کی گئی ہے اور دہلی میں تنظیم اہل حدیث کی طرف سے وہ تقریر یہاں ہندوستان میں پھیلائی جا رہی ہے۔ ایک اور رسالہ ہے جس کا عنوان ہے: ''کیا علمائے دیو بند اہلِ سنت والجماعت ہیں؟'' اس کے مصنف ہیں کوئی جناب توصیف الرحمان راشد صاحب۔ یہ رسالہ بھی

سعودی عرب حکومت کی وزارتِ مذہبی امور کے تابع شعبۂ دعوت وارشاد اور توعیۃ الجالیات سے شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک جملہ نقل کرتا ہوں خاکم بدہن۔ لکھتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے مقابلے میں پیروں، فقیروں اور اماموں کی اطاعت کے داعیوں کے پیچھے نمازیں ادا کرنا حرام ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

''ائمہ اہلِ سنت ان کو مرتدین میں شمار کر کے انھیں واجب القتل قرار دیتے ہیں۔''

میں بہت زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ میرا اس موضوع پر تھوڑا سا مطالعہ رہا ہے۔ یہ فتنہ اصل میں چلایا کیوں جا رہا ہے؟ مولانا ارشد میاں دامت برکاتہم نے بھی اشارہ کیا تھا کہ سب سے زیادہ بے چینی امریکا میں ہے۔ اصل میں یہ چلتی ہی وہاں ہے، یہ فتنہ آیا امریکہ سے ہے۔ میں امریکہ کے کئی سفروں میں اس موضوع کو جھانک کر دیکھنے کی کوشش کر چکا ہوں کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ وہ والا اسلام جو مسلمانوں کو مغرب کی تہذیب سے دور کرے اور وہ والا اسلام جو مسلمانوں کو مغرب کے مقابلے پر آمادہ کرے، اس اسلام سے ہٹانے کے لئے مغرب جہاں انٹرنیٹ اور بلیو (فحش) فلمیں اور عریانیت اور برہنگی وغیرہ وغیرہ کو فروغ دے رہا ہے، وہاں چونکہ مغرب جانتا ہے کہ بڑی تعداد میں مسلمان نوجوان ان تمام کوششوں اور سازشوں کے باوجود شراب خانوں اور کلبوں سے دور رہ کر مسجدوں سے قریب ہو رہے ہیں، لہٰذا ایسے مسلمانوں کے لئے، جو تمام تر کوششوں کے باوجود دین سے دور نہیں ہو پا رہے، انھوں نے دوسرا نسخہ یہ تیار کیا ہے کہ اگر دین پر چلنا ہی ہے تو ان کو ایسے دین میں لگا دو جو ان کو آپس میں الجھا دے۔ یہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے اور میرے اپنے یقین کے مطابق سعودی عرب حکومت کا ایک طبقہ اس منصوبے میں جانے یا انجانے شریک ہے۔

میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ہمارے اکابر دار العلوم دیوبند ہی کا مقام ہے۔ اس سے پہلے ماضی میں سعودی حکومت سے جب بھی کبھی گفتگو کی ہے، میرے محدود مطالعے کے مطابق

اکابر دیوبند نے کی ہے، جبکہ خاندانِ آل سعود کی حکومت پہلی بار قائم ہوئی تھی اور اس وقت مدینہ کے قبرستان میں جنت البقیع میں تمام کتبوں کو گرایا گیا تھا اور تمام کتبوں کو منہدم کرنے کے بعد گنبدِ خضریٰ کو منہدم کرنے کا منصوبہ تھا، لیکن اس وقت سعودی انٹیلی جنس نے اس وقت کے بادشاہ ملک عبدالعزیز کو باخبر کیا کہ عالم اسلام میں اس کی وجہ سے بہت بے چینی ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ کانفرنس بلالیں تاکہ علمائے کرام آپ کے ہمنوا ہو جائیں۔ انھوں نے پہلی کانفرنس بلائی تھی جس میں ہمارے دارالعلوم دیوبند کے سرخیل اور رہنما حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے تھے اور ان حضرات نے ایسی عالمانہ، محققانہ، داعیانہ اور ایسی زبردست تقریریں کیں اور احادیث کا انبار لگادیا اور احادیث کے وجوہِ استدلال پر جو کہ دارالعلوم دیوبند کا مسلک ہے اس پر ایسی بصیرت افروز روشنی ڈالی کہ ملِک عبدالعزیز انگشت بدنداں رہ گئے اور ملِک نے برسرِ عام یہ کہا: ”اِنَّ فِیۡ کَلَامِکَ لَوَجَاھَۃ“ یعنی یہ جو آپ نے بات کی ہے اس میں بہت گہرائی ہے۔ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ آپ مفتیٔ اعظم سے بات کریں۔ چنانچہ اگلی نشستیں ہمارے اکابرین کی ملِک کے علاوہ مفتیٔ اعظم سے بھی ہوئیں اور بالآخر سعودی حکومت نے اس مؤقف کو تسلیم کیا کہ گنبدِ خضریٰ کو منہدم کرنا شریعت کے احکام کی روح کے خلاف ہے، اور پھر انھوں نے اپنی پالیسی بدلی۔

اکابرین علمائے دیوبند کے علاوہ اس عاجز کو، مجھے کوئی نظر نہیں آسکا، ہوسکتا ہے میری نظر کی کوتاہی ہو، میں انہی حضرات سے یہ امید کرتا ہوں اور اس سسکتی ہوئی پریشان حال امت کی طرف سے دست بستہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ ایک سنجیدہ گفتگو کا آغاز کریں۔ آپ اس کے اہل ہیں۔ آپ کہیں کہ ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کیا ہورہا ہے آپ کے ملک میں؟ ہم وقتی طور پر اس تسلی میں نہیں آسکتے کہ ہمارا یہ سرکاری مسلک نہیں ہے، آپ کی باتیں پوری طرح شواہد کا ساتھ نہیں دے رہیں۔

تیسری تجویز یہ ہے کہ مجھے یاد آتا ہے، حوالہ تو اس وقت یاد نہیں آرہا، میں سفر کے دوران سے یہاں پر آیا ہوں، نواب چھتاری کو ایک دورہ کرایا گیا تھا برطانیہ کا اور برطانیہ کے اس سفر میں انھوں نے ایک خفیہ ادارے کو دیکھا تھا جو شہری آبادی سے دور جنگل میں انگلینڈ میں چل رہا تھا۔ یہاں انگریزوں کو فقہ اور حدیث پڑھائی جارہی تھی، تفسیر اور قرآن پڑھایا جارہا تھا، اور انگریز لوگ ڈاڑھی اور عمامے میں ملبوس وہاں پر تھے اور ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا، سب یہودی اور عیسائی لوگ تھے۔ نواب چھتاری یہ دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اس وقت ان سے کہا گیا تھا کہ یہ ہم اس لئے تیار کر رہے ہیں کہ یہ لوگ علما بن کر عالمِ اسلام میں پھیلیں گے اور وہاں تشویش انگیز مسائل کو ابھار کر مسلمانوں کی طاقت کو منتشر کریں گے۔

میری ایک درخواست ہے کہ جب دارالعلوم نئے عزائم کے ساتھ اس میدان کا بھی مقابلہ کرنے کے لئے اترتا ہوا نظر آرہا ہے، تو آپ بڑی آسانی کے ساتھ ایک دو ریسرچ اسکالرز کو، جو آپ کے اپنے فاضل ہوں، جو انگریزی و عربی پر عبور رکھتے ہوں ان کو اس بات پر لگایئے کہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں جو دستاویزیں موجود ہیں اس سلسلے کی، انھیں تلاش کریں۔ یہ چیزیں تلاش کرنے سے مل جاتی ہیں۔ مولانا احمد رضا خان کی جو خط و کتابت ہے انگریز حکومت سے، آج برٹش لائبریری میں وہ میسر ہے، اس سے پتہ لگ گیا ہے کہ احمد رضا خان صاحب اتنے زبردست علم کے باوجو اس راستے پر کیوں گئے، اور ابھی ہمارے حضرات اکابر نے اشارہ کیا تھا، حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب نے، کہ میاں نذیر حسین پہلے کیا تھے بعد میں کیا ہوگئے۔ اسی طرح ایک ریسرچ کی ضرورت ہے کہ آخر یہ سارا غیر مقلدیت کا فتنہ جو اس وقت برپا کیا جارہا ہے اس کی شروعات کیسے ہوئی اور اس وقت اس میں شدت کیوں لائی جارہی ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی دلائل سے بھرپور ریسرچ ہوجائے تو ان شاء اللہ امت کی حفاظت میں مدد ملے گی۔

میں بہت ممنون ہوں کہ میرے جیسے حقیر طالب علم کو یہ اعزاز بخشا گیا۔ جزاکم اللہ۔

ملفوظاتِ شیخ ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۷۹)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

جب باطن کی اصلاح نہیں ہوئی ہوتی تو ظاہری اعمال ادا تو ہو جاتے ہیں پر قبول نہیں ہوتے:

فرمایا کہ سال ۲۰۱۰ء میں ہمارا برطانیہ کا سفر ہوا تھا۔ وہاں ان کا ایک دور دراز صوبہ ہے بینگر (Benger)، ساتھی بیان کرنے کے لئے مجھے وہاں لے گئے۔ دور دراز صوبوں میں انگریز خود نوکری کے لئے نہیں جاتا بلکہ ایشیائی اور عربوں وغیرہ کو بھیجتا ہے۔ یہ بھی ایسا صوبہ تھا جہاں عرب اور پاکستانی ڈاکٹر تھے اور ان کے اوپر کنٹرول کرنے والے ایک دو انگریز تھے۔ وہاں پہنچے تو جن ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہماری دعوت تھی وہ صوبہ سرحد کے پٹھان آدمی تھے اور غیر مقلد یعنی اہلِ حدیث ہو گئے تھے۔ میڈیکل کالج میں ہمارے شاگرد بھی رہ چکے تھے۔ کہنے لگے کہ جی ہمارے ہاں ایسے ہی فلسفے اور پیچیدگیاں پیدا کی ہوئی تھیں، ہم تو اس سیدھے سادے دین کی طرف واپس لوٹ گئے۔ اِدھر ہم نے تو ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا مطالعہ کیا عربوں کے ساتھ، جبکہ ہمارے ہاں تو پیری مریدی اور پتہ نہیں کیا کیا کچھ انھوں نے پیدا کیا ہوا ہے۔

ہم تو گئے ہی تصوف کی بنیاد پر تھے اور یہی دعوت بھی دینی تھی کہ انسان کی بواسطہ تصوف تربیت ہو جائے۔ جو ساتھی ہمیں لے کر گئے تھے وہ بڑے پریشان ہوئے کہ ہم تو ڈاکٹر صاحب کو اتنا سفر کروا کر لائے ہیں بیان کے لئے، اب کیا ہوگا؟ کیونکہ اہلِ حدیث تو اس چیز کا رد کرتے ہیں جس کی ہم دعوت دیتے ہیں اور اسے فلسفہ اور پیچیدگیاں اور غیر ضروری باریکیاں کہتے ہیں۔ میں نے کہا آپ بالکل فکر نہ کریں، ان شاء اللہ ان کے لئے ایک جملے میں شکست ہے۔ اس میں بھی ہمارا کمال نہیں ہے بلکہ کمال ان بزرگوں کا ہے جن کے جوتوں کی خاک اور گرد ہمارے سر پر آئی اور ان کی تعلیمات اگر

عمل کے طور پر نہ ہوں تو کم از کم یادداشت کے طور پر ہمارے پاس ہیں۔

خیر بیان شروع ہوا، میں نے بیان میں کہا کہ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى اور تزکیہ پر ہی بیان شروع کیا۔ انسان کے باطن کا سنورنا، باطن کی پاکی، باطن کی گندگی وغیرہ کو بیان کیا۔ اس میں، میں نے ایک جملہ بولا کہ پڑھنا، یاد کرنا، تقریر کرنا وغیرہ ساری چیزیں تو ہیں لیکن تزکیہ کہتے کسے ہیں! جس وقت تیرا نفس جذباتِ شہوانیہ سے بڑھکے اس وقت اس کو روکنا اور کنٹرول کرنا... یہ تزکیہ ہے۔ تزکیہ کے رُخ کے اور بھی موضوعات زیرِ بحث آئے۔

بیان ختم ہوا اور میں دعا مانگ کر جب علیحدہ ہوا تو ان کی تنظیم کا صدر آگے بڑھا اور بولا کہ آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ علیحدگی میں اس نے پوچھا کہ یہ جو آپ نے کہا کہ جذباتِ شہوانیہ بڑھک جاتے ہیں، ان کو ٹھیک کیا جاتا ہے تو یہ کیسے ٹھیک ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک گھنٹے یا ایک دن میں تو ٹھیک نہیں ہوتا، اس کے لئے تو نظامِ تربیت ہے، اس سے گزرنا ہوتا ہے۔ پھر ہمارے ساتھی بڑے خوش تھے۔ میں نے کہا کہ یہ محض Subjective Discussion یعنی صرف نظریاتی بحث نہیں۔ اس کو سیکھنے کے لئے تو ایک عرصۂ دراز کی ضرورت ہے۔ بندہ کے شاگرد ڈاکٹر صاحبان جو اہلِ حدیث ہو چکے تھے ان سے ایک بات بندہ نے کہی کہ حدیث کے ظاہری معنی پر فیصلہ کرنا اور ہر ایک فیصلہ خود کرنا، اس طرح تو یہ سارے خود فقیہہ (فقہ کا ماہر) بن جائیں گے۔ عام معمولی دیہاتی آدمی بھی فقیہہ بن جائے گا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک غیر مقلد (اہل حدیث) مولوی صاحب نماز پڑھا رہے تھے اور ہل رہے تھے، ہل ہل کر پڑھا رہے تھے، کسی نے پوچھا کہ تم نماز میں ہلتے کیوں ہو، نماز میں تو سکون ہے۔ قوموا للہ قانتین قرآنِ پاک میں آیا ہوا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہم نے حدیث پڑھی ہے۔ پوچھا کون سی حدیث؟ اس بیچارے کو عربی بھی نہیں آتی تھی، اردو کی کتاب میں حدیث کا ترجمہ بتایا کہ اس میں لکھا ہے نماز ہلکے پڑھنی چاہیے۔ تو وہ یہ سمجھا تھا کہ کہیں

ہل ہل کے، جھوم جھوم کے نماز کا لطف اُٹھانا ہوتا ہے حالانکہ لکھا تھا کہ ہلکی پڑھنی چاہئے۔ یعنی نماز بہت لمبی نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ ہلکی یعنی مختصر پڑھنی چاہئے تاکہ جماعت میں شامل لوگوں کے لئے مشکل نہ بن جائے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ ہمیں کسی کے نظریات سے تعرض (ٹکراؤ) نہیں ہوتا یہاں تک کہ حضرت جی مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حج پر گئے تو تبلیغ والے حضرات نے کہا کہ حضرت اگر آپ یہاں پر رفع یدین کریں (یعنی رکوع سجدے میں جاتے ہوئے اہل حدیث کی طرح ہاتھوں کو اٹھائیں) اور آمین بالجہر (زور سے آمین کہنا) شروع کردیں تو عرب بہت متوجہ ہوجائیں گے اور تبلیغ میں لگیں گے۔ انھوں نے فرمایا کہ بھائی میں تو ان کو اپنے فقہ کی دعوت دینے کے لئے نہیں آیا۔ میں تو توحید، رسالت، آخرت، اعمالِ صالحہ اور اصلاحِ نفس و اصلاحِ باطن کی دعوت دینے آیا ہوں۔

عرب جب ہمارے ہاں تبلیغ کے سلسلے میں بستی نظام الدین ہندوستان کے مرکز آئے تو انھوں نے کچھ دن چلنے کے بعد کہا کہ ہم آمین بالجہر اور رفع یدین چھوڑنا چاہتے ہیں۔ ہمارے حضرات نے فرمایا کہ یہ بالکل نہیں چھوڑو گے کیونکہ ہم نے آپ کو اپنے فقہ کی دعوت دینے کے لئے نہیں بلایا۔ علماء اس بات کو جانتے ہیں کہ مسلک کی دعوت دینا تبلیغ ہے ہی نہیں۔ یہ کہنا کہ سارے حنفی ہوجاؤ، یہ تبلیغ نہیں ہے۔ تبلیغ تو توحید، رسالت، آخرت، اخلاق، تزکیہ، اصلاح اور ان کے فضائل کی دعوت دینا ہے۔ فقہی اختلافات تو حضور ﷺ کے سامنے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی، رد نہیں فرمایا، کہ یہ ٹھیک ہے یہ غلط ہے یا ایسا کرو ایسا نہ کرو۔ ایسے اختلافات کی پوری گنجائش چھوڑی ہے شریعت نے۔ میں نے کہا آپ تعرض نہ کریں، آپ اپنی دعوت دیں۔ دین صرف نماز پڑھ لینا یا آمین بالجہر کرلینا یا رفع یدین کرلینا نہیں ہے بلکہ دین کا تو اہم کام تیرے باطن سے متعلق ہے کہ تیرے اندر کیا بنا، تیرے اندر کیا ہے۔ جب باطن کی اصلاح نہیں ہوتی تو ظاہری اعمال ادا تو ہوجاتے ہیں پر مقبول نہیں ہوتے۔ عمل کا ادا ہوجانا اور بات ہے، اس کا قبول ہوجانا اور بات ہے۔ ظاہرِ دین ادا تو ہو گیا، پر قبول نہیں ہوا، کیونکہ باطن درست نہیں ہوا۔

توخاک میں مل تو آگ میں جل، جب اینٹ بنے تب کام چلے
ان کچی پکی بنیادوں پر تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

فرمایا کہ ایک دفعہ جناب پیر عبدالحئ صاحب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہماری حاضری ہوئی۔ وہ بیان فرمارہے تھے، انھوں نے ایک عجیب واقعہ سنایا۔ قصور میں مشہور بزرگ اور صوفی شاعر بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ دفن ہیں۔ ان کا آخری حال مجذوبیت کا ہوا ہے لہٰذا ان کے کلام میں بعض ''شطحیات'' ہیں۔ شطحیات ان باتوں کو کہتے ہیں جو صوفی کی زبان سے مستی کے حال میں نکل جاتی ہیں اور وہ قرآن وحدیث کے ترازو پر ڈالی جائیں تو ٹھیک نہیں ہوتیں۔ چونکہ ان کے منہ سے ہوش و حواس کے مدہم ہونے کے وقت نکلی ہیں اس لئے وہ مجرم نہیں ہیں، لیکن صحیح ہوش وحواس والے وہ باتیں کہیں گے تو معصیت اور گناہ ہوگا۔ یہ وضاحت اس لئے کردی کہ کبھی ان کا کلام پڑھنے کا موقع آگیا تو گڑبڑ نہ ہوجاؤ۔

حضرت نے فرمایا کہ بابا بلھے شاہؒ کا ایک مرید ملاقات کے لئے گیا۔ گھر میں پانی نہیں تھا۔ بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ خود پانی کا گھڑا بھر کر کندھے پر اٹھائے تشریف لا رہے ہیں۔ اللہ والے بے تکلف ہوتے ہیں، ان کے نزدیک اپنی حیثیت، جس کو آپ Status کہتے ہیں، کا کوئی خبط نہیں ہوتا، کہ میں بڑا آدمی ہوں میرے کپڑے ایسے ہونے چاہئیں، میرا چلنا ایسا ہونا چاہئے، میری سواری ایسی ہو، مکان ایسا ہو، ایسے نہیں ہوتے۔ Status Conscious نہیں ہوتے بلکہ بے تکلف ہوتے ہیں۔ ان کو کسی کام کے کرنے میں، جو خلافِ شریعت نہ ہو، عار وشرم محسوس نہیں ہوتی، اس لئے خود ہی پانی بھرنے چلے گئے۔

جب آئے تو مرید کو بڑا افسوس ہوا، اس نے گھڑے سے کہا کہ اے بے ادب گھڑے، کیسا بے ادب ہے کہ تُو میرے شیخ کے کندھے پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ ان کی کتاب میں پنجابی کی پوری نظم ہے اور بہت میٹھی نظم ہے۔ جب حضرت پیر صاحبؒ سناتے تھے تو آدمی کے بال کھڑے ہوجاتے تھے۔

گھڑے نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میں مٹی تھا، کمہار کے بچے بڑی بڑی کدالیں لے کر گئے اور مار مار کر میری کمر توڑی اور میرے ڈھیلے نکالے، پھر انہیں دھوپ میں ڈالا، ایسی دھوپ کہ اس نے میری رگ رگ سے پانی کو نکال کر خشک کر دیا۔ پھر کمہار کے بچے ڈنڈے لے کر آئے اور مجھے اتنا مارا کہ پیس کر سُرمہ بنا دیا۔ جب تک کمہار کی مٹی کا مارا جانا صحیح نہ ہو تو برتن میں کمی آ جاتی ہے اور وہ ٹوٹتا ہے۔ تو خوب مارنے کے بعد بڑا دادا کمہار دو انگلیوں میں مٹی کو لے کر دیکھتا ہے اور بتاتا ہے کہ ابھی تیار نہیں ہوئی۔ بچے پھر اسے مارتے ہیں اور جب تھکتے ہیں تو پھر دادا جان سے پوچھتے ہیں کہ مٹی تیار ہوئی۔ دادا کمہار پھر دیکھ کر بتاتا ہے کہ ابھی بھی نہیں ہوئی۔ بالآخر جب وہ دیکھ لے کہ اس کا ایک ایک ذرّہ علیحدہ ہو گیا ہے اور اب یہ آپس میں چپکے گا اور اس میں قوت آئے گی تو کہتا ہے کہ اب ٹھیک ہے۔ گھڑا کہتا ہے کہ میری پٹائی کر کر کے شامت کر دی اور پھر مجھے پانی میں ڈالا گیا اور کیچڑ بنایا گیا۔

ہم تو سمجھے کہ شاید اس دھوپ سے اور مار سے تکلیف ختم ہو گئی لیکن ابھی ختم نہیں تھی۔ اس کے بعد ہمیں کمہار نے ایک چکر پر چڑھایا۔ نئے لوگوں کو تو پتا بھی نہیں کہ کمہار برتن کیسے بناتا ہے۔ نیچے پیر سے ایک چکر کو گھماتا ہے تو اوپر سے دوسرا گھومتا جاتا ہے۔ اس پر کیچڑ کا ٹکڑا رکھتا ہے اور اوپر گولائی میں ہاتھ رکھتا ہے تو گھڑا بن جاتا ہے، چکر کی گولائی خود اس کو گول کر دیتی ہے۔ کہتا ہے کہ مجھ سے گھڑا بنایا گیا۔ میں سمجھا کہ اب تکلیف ختم ہو گئی لیکن پھر لے جا کر دھوپ میں رکھا گیا۔ جب گھڑا نیم خشک ہوتا ہے تو بڑا کمہار اس کو لیتا ہے اور چاروں طرف سے دیکھتا ہے تو اسے انداز ہو جاتا ہے کہ کس جگہ سے نیچے ہے کس جگہ سے اوپر ہے، کس جگہ سے باہر ہے کس جگہ سے اندر ہے۔ اس کے پاس ایک چیز ہوتی ہے، اس کو وہ اندر رکھتا ہے اور باہر سے اس کو مارتا ہے تو چونکہ یہ نیم خشک ہوتا ہے تو اس کی ساری کمیاں کوتاہیاں درست ہو جاتی ہیں۔

کہتا ہے کہ میری پٹائی کی گئی، اس کے بعد میں سمجھا کہ تکلیف رفع ہو گئی ہو گی پر نہیں۔ اس کے بعد مجھے آگ کے آوے میں ڈالا گیا، چاروں طرف لکڑیاں گھاس پھوس ڈالی گئی، آگ جلی اور

ایسی جلی کہ اس نے تو رگ رگ کو جلا کر میری شامت کر دی اور اس کے بعد جب نکالا گیا تو اب میں گھڑا بنا ہوں۔ مجھے صاف ستھرا رکھا جاتا ہے، جب مجھ پر دھوپ آئے تو اٹھا کر سائے میں رکھا جاتا ہے، میری قدر کی جاتی ہے، میرا خیال رکھا جاتا ہے، مجھے سنبھالا جاتا ہے اور پھر وہ گھڑا اس مرید سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اے مرید! اس کے بعد کہیں جا کے میں تیرے شیخ کے کندھے پر سوار ہوا ہوں، ویسے ہی نہیں ہوا۔ میں مجاہدات، مشکلات اور تکالیف کے اتنے دور سے گزرا ہوں۔

تُو خاک میں مل تُو آگ میں جل، جب اینٹ بنے تب کام چلے
ان کچی پکی بنیادوں پر تعمیر نہ کر تعمیر نہ کر

اس لئے عرض ہے کہ اپنے آپ کو تربیت کے لئے پیش کریں۔

پہلے زمانے میں پیر کامل ہوتے تھے آج کل مرید کامل ہوتے ہیں:

فرمایا کہ بعض آدمی سلسلے میں بیعت ہو جاتے ہیں اور کوتاہیاں کرتے رہتے ہیں۔ ساتھی کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آپ سے بیعت بھی ہے اور کوتاہیاں کر رہا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ پہلے زمانے میں پیر کامل ہوتے تھے آج کل مرید کامل ہوتے ہیں۔ بیعت ہونے کے بعد اتنی ہی استعداد ہے کہ جتنی اس کو بات کہتے ہیں، دوسری سختی کی بات جو آپ کہہ رہے ہیں وہ اگر اس سے کہوں تو یہ بیعت سے ہی ٹوٹ جائے گا، اس کی اصلاح رک جائے گی۔ استعداد ہی نہیں ہے۔ اور آجکل کی وہ بیعت ہے ہی نہیں جس میں بیعت کرنے والا اپنے آپ کو حوالے کرتا تھا کہ اب اگر شیخ نے کہا کہ اس دریا میں چھلانگ لگاؤ، سمندر میں کود جاؤ، آگ میں چھلانگ لگاؤ تو میں نے سوچنا نہیں ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

انحطاط اور گراوٹ کا دور ہے۔ بات کہنی ہی اتنی ہوتی ہے جس کو لے کر مرید ہضم کر سکے، برداشت کر سکے اور اس پر عمل کر سکے۔ استعداد سے زیادہ بات کہی جائے تو اس کے عمل کے قابل ہی

نہیں ہوتی۔نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ٹوٹ جاتا ہے اور سلسلے سے رہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر طارق صاحب کو ایک دن میں بتا رہا تھا کہ حافظ عماد صاحب سے ہم نے بیان لکھوایا تو جو میں نے صحیح اردو بولی ہوئی تھی اس کے بھی مذکر مؤنث غلط لکھے ہوئے تھے۔اس پر میں نے کہا کہ باطن کی اٹھان تو گھر کی ہے۔اتنا جو اس کے باطن کو حاصل ہوا ہے گھر سے ہوا ہے۔باوجود اس کے کہ میں بات کو ایک طرح بول رہا ہوں، اس کو یہ اپنے باطن میں دوسری طرح لے رہا ہے، جیسے اس کی بنیادی تربیت ہے۔اسی لئے انگریز پہلی جماعت سے ہی انگریزی کو عام کرانا چاہتا ہے۔ان کے ماہرین نفسیات نے اس بات کو لکھا ہوا ہے کہ انگریزی کو ایسے پڑھایا جائے کہ اس کی سوچ ہی انگریزی میں ہو۔ So that the person starts thinking in English. کہ وہ پہلے انگریزی میں سوچے اور پھر اس کو دوسری زبان میں ترجمہ کرے، تب جا کے وہ ہماری تہذیب و ثقافت اور کلچر میں رنگا جائے گا۔

وہ تو جب نفس ٹوٹتا ہے اور باطن کے سارے اثرات زائل ہوتے ہیں اور جب آدمی شیخ کے رنگ میں رنگتا ہے، یہاں تک کی اس کا اٹھنا بیٹھنا، چال ڈھال اس رخ پر آتی ہے، ایسا رنگ میں رنگتا ہے، یہاں تک کہ اس کی شکل بدلتی ہے۔بہرحال یہ چیز باطن میں پہلے عکس کی شکل میں آتی ہے، پھر جڑ پکڑتی ہے۔یہ بات صحبت سے حاصل ہوتی ہے اور صحبت شخصیات کاملین کی ہوتی ہے۔جو ان کے اندر ہوتا ہے وہ مرید کے اندر آتا ہے۔جتنا جس کے اندر ہوتا ہے اتنا ہی منتقل کر سکتا ہے۔

کاشتی تخمِ محبت در دلِ من کاشتی

آخرش دادیں مُرا چیزے کہ تو خود داشتی

کاشت کیا محبت کا بیج تو نے میرے دل میں کاشت کیا۔

آخر جو چیز تمہارے پاس تھی وہ مجھے دے ہی دی۔

(جاری ہے)

ایدھی صاحب کی وفات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

ایدھی صاحب وفات پا گئے۔ وہ بالکل ان پڑھ تھے لیکن اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے انھوں نے خدمتِ خلق کا ایک عظیم ادارہ قائم کیا۔ یہ ادارہ ان کے اوران کے خاندان کیلئے آسودہ معیشت اور عالمی شہرت کا ذریعہ بنا۔ ان کی شہرت یہاں تک پھیلی کہ ۲۰۱۰ء میں ان کو قادیانیوں نے ایک اعزاز سے نوازا۔ اس موقع پر انھوں نے قادیانیوں سے مندرجہ ذیل خطاب کیا:

''میں احمدیہ جماعت کا شکریہ کرتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے انسانی ناطے ایک ایوڈ (ایوارڈ) دے رہے ہیں اور یہ ایوڈ (ایوارڈ) ان شاء اللہ انسانوں کی بھلائی کے اندر استعمال ہوگا۔ مجھے بہت بڑی خوشی ہوئی کہ مجھے انسانی ناطے احمدیہ جماعت والوں نے موزوں سمجھا اور مجھے ایوڈ (ایوارڈ) دینے کا کام کیا۔ میں خوش ہوں کہ کوئی انسانی ناطے مجھ سے تعلقات کرتا ہے۔ میں کوئی تفریق نہیں مانتا اور میرا کام تفریق بھی نہیں ہے۔ میرا کام انسانیت کا ہے اور انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ جب انسان، انسان بن جاتا ہے تو پھر کوئی سے بھی تعلقات نہیں رہتے، صرف ڈائریکٹ اللہ سے اور انسانیت سے تعلق ہوتا ہے۔ میرے یہاں اتنے لوگ داخل ہونے آتے ہیں، میں نہیں پوچھتا کہ تمہارا مذہب کیا ہے، میں یوں سمجھتا ہوں کہ انسان ہیں۔ آپ جو انسانی ناطے اپنی جماعت (قادیانی جماعت) کے تھرو کام کر رہے ہیں، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اللہ کامیاب کرے۔''

ان کی زندگی میں جنگ اخبار نے ۲۷ مئی ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں ان کا ایک انٹرویو شائع کیا جس میں انھوں نے مندرجہ ذیل باتیں کیں:

''میرے نزدیک قربانی کرنے کی بجائے اس رقم کو عوام کی فلاح کیلئے

استعمال کرنا چاہئے۔ فلاح و بہبود پر خرچ کرنے سے نظام بہتر ہوگا۔''

چونکہ ان پڑھ آدمی تھے اس لئے وہ اتنا ہی سمجھ سکے کہ قربانی کے پیسے لوگوں کو بصورتِ بھیک دینے چاہئیں جس سے بھکاریوں کی تعداد میں اضافہ ہو۔ جبکہ شریعت نے اس عمل کے ذریعے تین پیشوں کو وجود میں لاکر اس مال کو محنت کے ذریعے تقسیم کیا ہے تاکہ لینے والے معزز طریقے سے محنت کر کے یہ رقم وصول کریں۔ پہلا پیشہ گلہ بانی اور مویشیوں کو پالنا ہے۔ دیہات میں کسان بڑی عید کی امید میں مویشی پالتے ہیں کیونکہ اس موقع پر منہ مانگی قیمت پر بیچنا ان کیلئے عظیم فائدے کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ محرک (Incentive) گلہ بانی اور مویشی پالنے کی بنیاد ہے جس سے اس پیشے کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ عید کے دن اناڑی آدمی تک چھری ٹوکہ لئے قصاب بنا ہوتا ہے جو جانور ذبح کر کے اپنی مزدوری کا معقول معاوضہ لیتا ہے اور یوں یہ رقم بھیک کی بجائے محنت کے صحت منداصول کے تحت تقسیم ہو جاتی ہے۔ کھالیں دو تین واسطوں سے بک کر کئی آدمیوں کیلئے تجارت کا پیشہ بن جاتی ہیں اور اس طرح یہ مال محنت کے زریں اصول کے تحت اعزاز کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان کھالوں کی برکت ہے کہ باہر ممالک میں دس ہزار میں بکنے والا جوتا پاکستان میں پندرہ سو روپے میں مل جاتا ہے۔ چمڑہ سازی کے کارخانے (Tanneries) کی کامیاب ترتیب ہمارے ملک میں انہی کھالوں کی وجہ سے ہے۔ قربانی کا صحت مند گوشت جو غریب سے غریب آدمی کو بھی مل جاتا ہے وہ مزید فائدہ ہے۔ حج کی قربانیوں کا گوشت سعودی عرب کی حکومت جہازوں کے ذریعے غریب ترین علاقوں تک پہنچاتی ہے۔

جس طرح ہم چودہ اگست کو اور اسی طرح دوسرے موقعوں پر تقریبات کرتے ہیں، جن پر قربانی سے زیادہ خرچہ ہوتا ہے، دانشور کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں ہمیں پاکستانی ہونے کے اعلیٰ جذبات اور احساسات حاصل ہوتے ہیں، جو اس خرچے سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اسی طرح قربانی پر خرچ کرنے سے ہمیں جذبۂ قربانی حاصل ہوتا ہے کہ یہ جذبہ قوم کی ترقی کے لئے ایک بنیاد کا کردار

ادا کرتا ہے، جس پر یہ تھوڑا سا خرچہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حالانکہ اصل تو یہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے جس کے ذریعے جنت کی لازوال نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔

جنگ اخبار میں مندرجہ ذیل عقائد ونظریات ایدھی صاحب نے کھل کر بیان کئے ہیں۔

''دنیا بھر میں مذہبی لوگوں کو ٹھکرایا جا چکا ہے۔ صرف دو سے تین فیصد لوگ ایسے ہیں جو مذہبی حضرات کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں وگرنہ پادری اور ملاّ کا کردار ختم ہو چکا ہے اور ان کی مذہبی تشریحات کا پردہ کھل چکا ہے۔''

ایدھی صاحب سے سوال ہوا کہ آپ کو کون سے مقامات پسند ہیں تو انھوں نے جواب میں ''مکہ مکرمہ'' یا ''مدینہ منورہ'' کا نام نہیں لیا بلکہ کیا کہتے ہیں ملاحظہ ہو:

''مجھے ایئرپورٹ بہت اچھے لگتے ہیں۔ مجھے وہ زمین پر خدا کی جنت محسوس ہوتے ہیں۔ یہ ایئرپورٹ دبئی کا ہو، لندن کا ہو، امریکہ کا ہو، یا کینیڈا کا، ہر جگہ پر جنت کا سا ماحول نظر آتا ہے۔''

حج کے بارے میں ان کا بیان:

''عرفات کے میدان میں حج کے موقع پر جتنی چوریاں ایک دن میں ہوتی ہیں اتنی چوریاں سال بھر میں نہیں ہوتیں۔ کیا آپ کو علم ہے اس موقع پر ۱۰۰ میں سے ۹۹ افراد کی چوریاں ہوتی ہیں۔''

بندہ کو بارہا عرفات کے میدان میں حاضری کی توفیق ہوئی اور بندہ کے ہزاروں واقف حج کے مبارک عمل سے گزرے۔ میرے سامنے کبھی کوئی تذکرہ نہیں آیا کہ کسی کی چوری ہوئی ہو۔

پھر ایدھی صاحب نے فرمایا:

''جس طرح وہ (گاندھی) ہمیشہ دو لڑکیاں اپنے ساتھ رکھتا تھا میں بھی اسی طرح کرتا ہوں (یعنی دو لڑکیاں اپنے ساتھ رکھتا ہوں)۔''

ایدھی صاحب سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ نے کبھی کسی سے عشق کیا تو جواب دیتے ہیں کہ:

''میں نے لبنان میں بہت خوبصورتی دیکھی ہے۔ وہاں کا حسن بے مثال ہے۔ میں نے حسین چہرے لبنان میں بہت دیکھے۔۔۔ایک خوبصورت لڑکی نے میرے ساتھ وعدہ بھی کیا کہ وہ میرے ساتھ کام کرے گی۔''

میوزک کے بارے میں:

''میوزک سننے کا عادی ہوں۔ عرب گلوکارہ امِ کلثوم کا میوزک سنتا ہوں۔ اس کی آواز پر میں فدا ہوں۔ نور جہاں اور سہگل کو بھی پسند کرتا ہوں۔''

بیٹے کا نکاح:

''میں نے بیٹے کو ہدایت کی کہ مولوی کے پاس نہیں جانا۔ پھر میں نے اپنے بیٹے کی فون پر اپنی اہلیہ سے بات کروادی کہ بیٹا دو گواہ بن گئے (یعنی خود اوران کی بیوی) اور تیری شادی ہوگئی۔'' (یعنی ٹیلیفون پر ہی شادی ہوگئی)

بلقیس ایدھی کا اپنے خاوند پر تبصرہ:

''نہیں مانتے، بالکل نہیں مانتے، یہ تو ہمیشہ اپنی من مانی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں۔''

جب ان کی دوسری شادی ہوگئی تو ان کی بیوی (پہلی بیوی بلقیس ایدھی) نے فرمایا:

''میں نے اپنے بھائی سے ذکر کیا تو اس نے کہا مان جاؤ ورنہ تمہارے منع کرنے پر تمہیں چھوڑ دے گا پھر بچوں کو لے کر کہاں جاؤ گی، اور یہ ماحول اور یہ معاشرہ بھی یہی کہتا ہے کہ مرد دوسری بیویاں کرتے ہیں اور یہ گناہ نہیں، یہ اس کا ذاتی فعل ہے، اس کو منع نہ کر۔ میں نے دل بڑا کیا اوران کی مرضی کو قبول کیا لیکن یہ مجھے اس (دوسری بیوی) کے سامنے بہت ذلیل کرتے تھے۔ وہ تین ہزار کی پرفیوم لگا کران کو متاثر کرتی تھی۔۔۔ وہ ہمیشہ چوریاں کرتی تھی لیکن یہ کبھی میری بات نہیں مانتے تھے۔''

بلقیس ایدھی صاحبہ مزید کہتی ہیں کہ آخر اس عورت نے اپنے بھائی کی مدد سے سات کروڑ

روپے کی چوری کی (اور بھاگ گئی۔ یہ سارے پیسے مسلمانوں کے دئے ہوئے زکوٰۃ عشر اور صدقات کے پیسے تھے جو غریبوں کے لئے دئے گئے تھے)۔

امریکہ کے ۱۱ستمبر کے واقعہ پر ایدھی صاحب نے مسلمانوں کے زکوٰۃ، صدقات کے چندے سے ایک بہت بڑی رقم امریکہ کو چندے میں دے دی۔ حالانکہ یہ زکوٰۃ کی رقم تھی جس کے بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ غریب مسلمانوں کو دی جائے گی، جو اس سے اپنے کھانے پینے، پہننے اور سر چھپانے کے لئے چھت کا بندوبست کریں گے۔ اس طرح کافر کو زکوٰۃ کا مال چندے میں دے دینے سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ایدھی صاحب کلکتہ سے مشرقی پاکستان گئے، وہاں کے لوگوں نے ان کی دعوت کی اور بتایا کہ ہم نے مدرسہ اور مسجد بنائی ہے تو ایدھی صاحب نے کہا:

''غریبوں کی بھوک مٹائی جائے تو وہ مدرسہ اور مسجد سے بہتر ہے۔''

یہاں بھی ایدھی صاحب یہ رقم بھیک کی شکل میں دے کر بھکاریوں کی تعداد زیادہ کرنا چاہتے ہیں جبکہ مدرسہ بنانے سے یہ رقم مدرسے میں پڑھنے والے طلبا کی بھوک مٹانے کا ذریعہ بھی بنی اور ان کے لئے ضروری تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ بھی بنی۔ یہی رقم تنخواہ کی صورت میں اساتذہ اور سنبھالنے والے دیگر عملے کی بھوک مٹانے کا ذریعہ بھی بنی۔ رہی مسجد تو وہ مسلمانوں کا ایک عظیم مرکز ہے جس میں ہونے والے اصلاحی بیانات کئی مالداروں کو صدقہ، زکوٰۃ دینے پر تیار کرتے ہیں۔

ایک انٹرویو میں ان سے پوچھا گیا کہ آپ یہ سب (یعنی خدمتِ خلق) خدا کی رضا اور آخرت کے لئے کر رہے ہیں تو ایدھی صاحب نے جواب دیا: ''یہ تو میں انسانیت کے لئے کر رہا ہوں۔'' اس پر سوال پوچھنے والے نے کہا: ''تو پھر آپ نے ڈاڑھی جو چھوڑ رکھی ہے!'' جواب میں ایدھی صاحب نے کہا:

''یہ تو میں نے اس لئے چھوڑ رکھی ہے کہ میرے پاس (شیو کرنے کیلئے) وقت نہیں ہوتا۔''

(آخری قسط)

شیخ الہندؒ کا احسانی و عرفانی مقام

(مولانا ڈاکٹر محمد ظفر اقبال صاحب، کراچی)

اشد ضرورت پر باطنی کمالات وتصرفات کا اظہار: شیخ الہندؒ:

ایسے عرفانی اوصاف اور احسانی کمالات کے حامل انسانوں کے قلب ولسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمہ وقت قبولیت ومقبولیت کا درجہ ومرتبہ حاصل ہوتا ہے، یہی وہ حضرات ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بات کو خالی نہیں لوٹاتے، وہ خود کو خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپائیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے حسنات اور کمالات کو عالم پر آشکارا کر کے ہی رہتا ہے، شیخ الہند کی زندگی کے واقعات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قبولیت ومقبولیت کے اسی مقام پر فائز تھے:

''مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی سے بیعت تھے اور گنگوہ میں پرورش پائی تھی۔ مولانا جس زمانے میں مالٹا میں تھے، ان پر اثنائے ذکر وشغل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خودکشی کی رغبت ہوئی تھی مگر نہ کر سکے اور اس وجہ سے ایسے ضیق میں مبتلا تھے کہ مر جانا بہتر سمجھتے تھے۔ (حضرت شیخ الہند کی مالٹا سے واپسی کے بعد) انھوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور مدد چاہی، حضرت نے حسب عادت انکسار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرے بھی تھے کہ ''حیرانم کہ بچہ دہقان را بچہ کار سپرانند'' ——— (میں حیران ہوں کہ ایک کسان کے بچے کو کیا کام سپرد کر رہے ہیں) مجھے ایسے کام کے لیے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ.... آخر وہ حضرت سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے، حضرت نے محبت سے پاس بٹھایا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ تم نے کیا لکھا تھا؟ مجھے تعجب ہوا کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھتے ہو، بھلا میں اس کا اہل کہاں؟ مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو یہ آپ پر

نہیں بلکہ حضرت گنگوہیؒ پر اعتراض ہے کہ انھوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا، آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں، چوں کہ میں نے اسی دروازے پر تربیت پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے اس لیے میرا فرض تھا کہ اپنا دکھ درد عرض کردوں، اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کہ کچھ نہیں۔ بعد عشا بہ کمال شفقت حال سنا اور ذکر دوازدہ تسبیح میں کچھ ترمیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو میں نے بتایا ہے، یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس تدریس میں لگیں چھوڑا اس ذکر و شغل کو جس میں جان سے عاجز ہو گیا اور حضرت اصرار فرماویں ـــــــ کہ گھبراؤ مت، ذکر و شغل جاری رکھو ورد کرتے رہو جو کر رہے ہو، یہاں تک کہ جب مکان تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ کتب خانے کے سامنے والے کمرے میں پچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جائے اور پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں حجرے سے باہر مراقب ہو کر بیٹھ جاؤ۔ مولانا لکھتے ہیں کہ اس وقت کی کیفیت ذکر میں نہیں آسکتی کہ اندر بیٹھے کیا کر رہے تھے پھر مجھے اپنا قلب زخمی نظر آتا تھا جیسے اس میں پیپ پڑ گئی ہے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ حضرت اس کو اپنے دست مبارک سے صاف فرما رہے ہیں۔

بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہو کر بیٹھ جاتا تھا۔ بعد اشراق حضرت حجرے سے باہر تشریف لائے اور درس کے لیے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا، سبق میں مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے، میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لیے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی لہٰذا میں نے الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیئے پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آ گیا۔ حضرت نے ایک ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کیے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں

میں تلاش مت کرنا یہ جواب کتابی نہیں۔بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے کہ یہاں ایک دوسرا اشکال اور ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال مع جواب خود ارشاد فرماتے۔غرض وہ حال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہوگیا، تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا فرمایا کہ اچھا جاؤ مگر واپسی میں کم از کم یہاں کے واسطے ایک دن رکھنا کہ ابھی خامی باقی ہے، چناں چہ واپسی بجائے ایک دن کے دودن حضرت کے پاس قیام کیا اور جو خامی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرت کے حجرے کے باہر مراقب ہوکر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جارہی ہے جس سے دل میں سکون وقوت اور راحت معلوم ہوتی۔غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک صاف فرمایا، اور دوسری میں زخموں کو مندمل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی اور بے نیاز بنادیا، اللہ جزائے خیر دے حضرت کو، میری ایسی دست گیری فرمائی کہ جس کا شکریہ تمام عمر ادا نہیں ہوسکتا۔'' (محمد زکریا سہارن پوریؒ، آپ بیتی، جلد۲، صفحات ۱۰۰۶-۱۰۰۸)

مولانا گیلانیؒ: باب ایمان میں شکوک کا یقین واطمینان میں تبدل: شیخ الہندؒ کی کرامت:

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے دیوبند کے زمانہ طالب علمی میں خود اپنی آپ بیتی کے تحت ایک لرزادینے والا عبرت آموز واقعہ بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دورۂ حدیث کے سال میں نہ جانے کیوں مولانا گیلانیؒ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ،نعوذ باللہ، بہت سے شبہات اور بدگمانیوں میں مبتلا ہوگئے تھے۔یہ شبہات اور بدگمانیاں مولانا گیلانیؒ کی تصریح کے مطابق دن بہ دن بڑھ رہی تھیں: ''گویا بدگمانیوں کی ایک آگ تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ میرے باطن میں بھڑک اٹھی ہے، دو گھنٹے عموماً ترمذی شریف کا درس مسلسل جاری رہتا اور ایک سیاہ کار، سیاہ سینہ ان دو گھنٹوں کے اندر ان ہی شکوک وشبہات کی آتشیں لہروں میں جلتا بھنتا رہتا، ہر حدیث میرے لیے بدگمانی اور سوئے ظن کا چقماق گویا بنتی چلی گئی۔دماغ صرف ہرزہ

اندیشوں اور یاوہ بافیوں کا کارخانہ بنا ہوا تھا''۔ الغرض مولانا گیلانیؒ کی ایمانی کیفیت دن بہ دن ایسے رو بہ زوال تھی کہ ''محسوس ہو رہا تھا کہ دین کی مرکزی چٹان ہی سے پاؤں، العیاذ باللہ، پھسل رہا ہے'' کہ اچانک قدرت نے دست گیری فرمائی، مولانا گیلانی، دیوبند کے امی رکن حضرت امیر شاہ صاحب مینڈھوؒ کی معرفت اپنے درد کے مداوا اور ایمان کی سلامتی کی غرض سے شیخ الہندؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضرت امیر شاہؒ نے تعارف کراتے ہوئے کہا آپ کے شاگرد ہیں کچھ عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ مولانا گیلانیؒ نے خلوت میں اپنے دل کا دکھڑا نہایت ہی رقت آمیز اور درد انگیز کیفیت سے بیان کیا —— یہ سن کر شیخ الہندؒ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ اپنا یہ حال جب آپ کے لیے اتنا ناگوار ہے۔ تو یہ بے ایمانی کی نہیں ایمان کی دلیل ہے، ایمان نہ ہوتا تو ان حالات میں اتنا پریشان ہی کیوں ہوتے؟''

مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

''بعد کو یہ مضمون خود نبوت کے ارشادات میں بھی ملا، لیکن پہلی دفعہ حضرت شیخ الہند کی زبان مبارک سے یہ الفاظ اس طرح نکلے کہ دل میں معلوم ہوتا تھا کہ کچھ تھا ہی نہیں۔ طمانیت اور بشاشت کی لہریں میرے چہرے پر کھلنے لگیں۔ یہ دیکھ کر تب ارشاد ہوا'' آپ نے کہاں کہاں اور کیا کیا پڑھا ہے؟'' اپنی تعلیمی روداد سنائی گئی، زیادہ وقت قدیم فلسفہ اور منطق کے پڑھنے میں صرف ہوا ہے۔ یہ معلوم کر کے فرمانے لگے، ''جو کچھ آپ کچا پکا نگلتے چلے گئے ہیں، اب وہ سب کچھ باہر نکل رہا ہے، پریشان ہونے کی بات نہیں ہے''۔ شاید بے اختیار گریے کے ساتھ عرض رسا ہوا کہ حضرت! میرے لیے خواہ کچھ بھی ہو، اب یہ حالت ناقابل برداشت ہے۔ میرے لیے اس قسم کے وساوس و اوہام کسی حیثیت سے بھی ہوں ناقابل تحمل ہیں۔ میری زندگی خطرے میں ہے۔ اب خواہ دنیا مانے یا نہ مانے، لیکن اپنے

ذاتی تجربے کا میں کیا کروں؟ جواب میں فرمایا گیا: ''مولوی صاحب! جاؤ اب کوئی شبہہ اور کسی قسم کا شک تم کو نہ ہوگا''۔ یہ یا اسی کے ہم معنی الفاظ تھے۔ آج سے تقریباً ۴۰ سال پہلے اللہ کے ایک برگزیدہ ہستی کی مبارک زبان سے یہ بات نکلی۔ خاکسار، اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی زندہ شہادت ہے کہ اس طویل عرصے میں، بحمد اللہ، پھر کسی قرآنی آیت، یا کسی نص نبوی میں کسی قسم کا شبہہ اب تک تو پیدا نہیں ہوا... گویا کوئی کیل ٹھونک دی گئی ہے۔''

(مناظر احسن گیلانیؒ، احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، کراچی: مکتبہ عمر فاروق، ۲۰۱۱ء، صفحات ۱۰۸-۱۱۲)

مولانا انور شاہؒ: اخلاف کے لیے ایقان کا مینارۂ نور: شیخ الہندؒ کی پشتی بانی:

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا بے نظیر حافظہ و استحضار، بے مثل علمی تبحر، رسوخ کامل اور وسعت نظر اپنوں ہی نہیں پرایوں میں بھی مسلم ہے۔ شاہ صاحب تو خیر آفتاب علم تھے، ان کے درس و تقریر سے ایسے باکمال افراد ہندوستان کے مطلع پر ضیاء بار ہوئے جن کی نظیر ممکن نہیں۔ غور فرمایا جائے کہ کیا حضرت شاہ صاحب کا یہ علم و مرتبہ اور طلبا کے لیے درسی ایقان کا منبع ہونا صرف حضرت شاہ صاحب کی اکتسابی اور ذاتی باطنی کیفیت کا مظہر تھا یا اس کے پیچھے کسی ولی کامل کی پشتی بانی بھی کارفرما تھی؟ جس وقت شیخ الہندؒ سفر پر روانہ ہونے لگے جس میں اسیر مالٹا ہو کر جانے کی نوبت آئی، اس وقت:

''علامہ انور شاہ صاحبؒ باوجود یہ کہ ترمذی کا سبق پڑھانے کے لیے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی۔ (مولانا انور شاہ نے) مفارقت حضرت (شیخ الہندؒ) کے غم میں کچھ نہ فرمایا، بلکہ ذرا دیر توقف فرما کر کتاب بند کر دی اور حضرت (شیخ الہندؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔ شاہ صاحبؒ نہایت خاموشی سے جا کر بیٹھ گئے اور حضرت (شیخ الہندؒ) کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا۔ شیخ الہندؒ نے بھی تکلف سے کام نہ لیا، یوں ہی رہنے دیا فرمایا! ''شاہ صاحب! آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے۔ میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں

گے، اور اگر آئیں بھی تو قدرت رہ نمائی کرے گی۔ جاؤ! خدا کے سپرد سبق پڑھاؤ''۔

(محمود حسن گنگوہیؒ، ملفوظات فقیہہ الامت، جلد ا، صفحات ۱۰۸-۱۰۹)

شیخ الہندؒ کے اس روحانی تصرف اور پشتی بانی سے مولانا انور شاہؒ کو خود تو کیا شبہات پیدا ہوتے، وہ دوسروں کے لیے شبہات کے ازالے اور تصفیے کا تریاق بن گئے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے شاہ صاحب کی درسی تقریر کے کمالات اور اثرات کے ذیل میں اپنے پہلے ہی دن کے تاثرات کو ایک جملے میں یوں سمو دیا ہے:

''(شاہ صاحب کی تقریر کا) پہلا دن تھا، جس میں قرآن کے بعد دین کا سارا بنیادی نظام میرے لیے قطعی و یقینی ہو گیا۔''

(مناظر احسن گیلانیؒ، احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، صفحہ ۶۱)

اس اطمینان و ایقان کی گواہی شاہ صاحب کے متعلقین، تلامذہ اور احباب سب ہی نے دی ہے۔

متذکرہ واقعات تو لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف واپس لانے سے متعلق تھے۔ ایک واقعہ ایسا بھی ملاحظہ کیجیے جس میں ایک گستاخ کو اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے توبہ کی تلقین کی گئی تھی، لیکن اس نے اپنی گستاخی سے خود پر ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر لیا۔ اور ایمان سے محروم ہو گیا۔

شیخ الہندؒ کی تنبیہ: احمد احسن امروہوی کا انجام بد:

مرحوم مولانا محمد حسین بٹالوی اپنے عہد میں ردّ تقلید اور حمایت اہل حدیث کی ایک ''پُر شور'' آواز تھے ـــــــ انھوں نے برعظیم کے تمام اہل سنت و جماعت احناف کو ایسے دس مسائل کا انتخاب کر کے چیلنج دیا کہ اگر احناف، ان مسائل کے اثبات میں کوئی آیت، یا کوئی حدیث صحیح، صریح، قطعی الدلالۃ پیش کر دیں تو مولانا بٹالوی فی آیت اور فی حدیث ۱۰ روپے انعام دیں گے۔ (اس

وقت بیس، پچیس روپے تولہ سونا ہوتا تھا) گویا مولانا بٹالوی کے زعم میں ان دس مسائل میں اہل سنت کے پاس کتاب وسنّت سے کوئی دلیل موجود نہیں تھی۔اس چیلنج کے باعث ایک طرف جہاں علمائے احناف کی تحقیر وتذلیل ہوئی وہیں دوسری جانب امام اعظم ابوحنیفہؒ کی تجہیل (جاہل ہونا) بھی لازم آئی ـــــ ظاہر ہے یہ تعلّی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمود حسنؒ کو سخت ناگوار ہوئی ـــــ شیخ الہندؒ نے مولانا نانوتوی کی اجازت واشارے سے اس اشتہار کا جواب ''ادلہ کاملہ'' کے نام سے دیا۔شیخ الہندؒ منتظر رہے کہ مولانا بٹالویؒ اس کے جواب میں قلم اٹھائیں۔

مولانا بٹالویؒ نے تو اس کا جواب نہیں دیا بالآخر جواب دہی کے لیے ایک ایسے صاحب کا انتخاب ہوا جو اپنی زبان کی تیزی اور قلم کی کاٹ میں طاق ہونے کے باعث حلقہ اہل حدیث میں ''احسن المناظرین والمتکلمین'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ان کا نام محمد احسن امروہوی تھا۔ امروہوی موصوف نے ''ادلہ کاملہ'' کا جواب ''مصباح الادلہ لدفع الادلۃ الذلہ'' کے نام سے لکھا۔ مولانا بٹالوی نے خود جواب لکھنے سے پہلو تہی فرماتے ہوئے امروہوی صاحب کی کتاب کو ''لاجواب اور جواب باصواب'' قرار دیا۔شیخ الہند نے اس اعلان کے بعد ''مصباح الادلۃ'' کا جواب ''ایضاح الادلہ'' کے نام سے تحریر فرمایا جس میں جابجا محمد احسن امرہوی کی لسانی گستاخیوں اور قلمی بے احتیاطیوں پر تنبیہہ فرمائی۔شیخ الہندؒ لکھتے ہیں:

''(مصنف مصباح الادلہ) بعض مواقع میں اپنے جوش میں بے باکانہ کلمات تکفیر بول اُٹھے ہیں۔''

(محمود حسنؒ، ایضاح الادلہ، دیوبند: مطبع قاسمی، صفحہ۵)

ایک مقام پر امروہوی صاحب کی گستاخیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجتہد صاحب ماشاءاللہ مسلم ہیں، گو بدفہم اور متعصب وکج طبع اور ہر چند عباد صالحین وعلمائے دین کی شان میں گستاخ اور مقلد طریقۂ رفاض ہیں اور اگرچہ تکفیر مومنین میں معتزلہ وخوارج کے شاگرد ہیں اور یہ امور گو یقیناً سخت

خوف ناک ہیں اور سبب خذلان (محرومی) و ہلاکت۔'' (ایضاً، صفحہ ۳۹۴)

شیخ الہندؒ نے جب یہ الفاظ تحریر فرمائے ہوں گے، اس وقت ان کے حاشیہ گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ وہ کوئی پیشین گوئی فرما رہے ہیں۔ آپ کا مقصد امروہوی صاحب کو اکابر کی شان میں گستاخیوں پر تنبیہ اور اس کے خوف ناک انجام سے ڈرانا تھا ـــــ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ امروہوی صاحب کے متعلق شیخ الہندؒ کے اشارہ کردہ جملے ''باعث خذلان و ہلاکت'' پورے ہوئے۔ امروہوی صاحب غیر مقلدیت سے ترقی کر کے مرزا قادیانی کے حلقہ ارتداد میں داخل ہو گئے۔ اندازہ کیجیے وہ شخص جس کے نزدیک امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی لائق تقلید نہیں تھی وہ مرزا غلام احمد قادیانی جیسے کاذب پر ایمان لا کر اس کی اقتدا کرنے لگا۔ مرتد ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی بھی نمونہ عبرت بن گئی، امروہوی صاحب مرزائیوں کی بھیک اور خیرات کے دست نگر ہو گئے۔ مرزا قادیانی کے مجموعہ اشتہارات نمبر ۸۷ پر درج ہے:

> اس وقت ضروری طور پر اپنے دوستوں کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ اخویم مکرم حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب جو اس وقت مقام بھوپال محلّہ چوبدار پورہ میں نوکری سے علیحدہ ہو کر خانہ نشین ہو گئے ہیں، بوجہ تکالیف عسر (تنگدستی) ہمدردی کے لائق ہیں.... لہٰذا ہر ایک بھائی کی اپنے اپنے مقدرت کے موافق توجہ درکار ہے۔ (یعنی انھیں کچھ نہ کچھ بھیک دیا کریں)

(مرزا غلام احمد قادیانی، مجموعہ اشتہارات، ربوہ: الشرکۃ الاسلامیہ، جلد ا، صفحہ ۳۴۷)

اس کے بعد مرزا قادیانی نے ان بائیس افراد کی فہرست دی ہے جنھوں نے مرتد احمد احسن امروہوی کو دو آنے سے پانچ روپے ماہ وار خیرات دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک نے دو آنے کا، دس آنے کا، چار آنے کا، دو نے آٹھ آنے کا، پانچ نے ایک روپے کا، تین نے دو روپے کا اور ایک نے پانچ روپے کا وعدہ کیا۔ یہ کل ۲۹ روپے دو آنے کی رقم ہوئی جس کا ۲۲ افراد نے وعدہ

کیا۔اور مرزا غلام قادیانی نے "ھل من مزید" کی غرض سے اشتہار جاری کیا۔مرزا جو "رئیس قادیان" کہلاتا تھا، خود اپنے پلّے سے سو پچاس روپے بہ آسانی بھجوا سکتا تھا۔ورنہ اپنے دو تین مال دار مریدوں کو کہہ کر احمد احسن امروہوی کی کفالت کا ذمے دار ٹھہرا سکتا تھا۔لیکن اتنی ارزاں اور حقیر سی بات کے لیے با قاعدہ اشتہار کے اجرا سے فی الاصل قدرت کو مرزا کی خست (کنجوسی) اور احمد احسن کی ذلت کا اشتہار دلوانا مقصود تھا ـــــــ یہ تھا وہ انجام بد جس کی طرف شیخ الہندؒ نے اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا: "باعث خذلان و ہلاکت"۔ بالفاظ دیگر ائمہ ہدیٰ کی شان میں گستاخیوں کا یہی وہ انجام تھا، جس کی طرف شیخ الہندؒ نے "سبب خذلان و ہلاکت" کہہ کر تنبیہہ فرمائی تھی۔

واقعات ونقول کی فہرست بہت طویل ہے بہ طور خلاصہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے ہر اعتبار سے بڑا بنایا تھا۔اگر ایک طرف شیخ الہندؒ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے محدث جلیل، تالیف وتصنیف کے پہلو سے ادیب اریب، سیاست و جہاد کے لحاظ سے مجاہد عظیم، اذکار و عبادات کے رخ سے صوفی باصفا نظر تھے تو دوسری طرف بندگان خدا پر شفقت، بے نفسی وفنائیت، فروتنی و عاجزی، دنیا سے نہایت استغنا کے ساتھ ایک گونا تعلق، اکرام ضیف (مہمان کا اکرام)، اساتذہ وشیوخ ہی نہیں، ان کی اولاد، بلکہ اولاد کی اولاد کے ساتھ بھی اساتذہ کی نسبت سے احترام و تعلق کے معاملے، اور طالبان علوم پر شفقت ورافت ایسے عصر حاضر میں عنقا اوصاف وکمالات ہیں جس نے شیخ الہندؒ کو اپنے عہد میں، "عباد الرحمٰن" کا مظہر کامل بنا دیا تھا۔شیخ الہندؒ کی اس جامعیت و کاملیت کو آپ کے مقتدا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ کے متعلق ایک ہی جملے میں سمو کر بیان کر دیا ہے:

"طریق سلوک میں اصل مقصود احسان ہے سو بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے۔"

(قاری محمد طیبؒ، "پچاس مثالی شخصیات"، مشمولہ مجموعہ رسائل حکیم الاسلام، جلد ۷، صفحات ۴۲۹)

احسان وعرفان کی یہی وہ کیفیت تھی کہ شیخ الہند نے علم وعمل کا جامع بن کرتا زندگی انسانی حیات کے مختلف گوشوں کو معمور ومنور کیا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دو بحورعلم واحسان (علم واحسان کے سمندر) نے مل کر شیخ الہند کو تیار کیا تھا۔ اور پھر شیخ الہند نے ''کارخانۂ علوم'' بن کر ہندوستان کو علم وفضل، وعظ وارشاد، افتا وتصنیف، دعوت و جہاد اور مناظرے ومکالمے کے لیے بے مثل اور لافانی رجال کار عطا کیے۔ آپ کی تربیت وتاثیر سے ہر فرد، فرق مراتب کے باوصف، اپنے وقت کا ''شیخ الہند'' بنا۔ بالفاظ دیگر شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور مسترشدین میں جس کو جس فن سے مناسبت اور اہلیت تھی ''نسبت محمودی'' اس کے ظرف کے مطابق اس میں ضرور منتقل ہوئی۔ یہ نسبت وتعلق ایسا ہی ہے جیسا سورج کا اس کی کرنوں سے ہوتا ہے۔ سورج کی ہر ہر کرن اپنی تابانی میں آفتاب ہی کا فیض ہوتی ہے۔ آفتاب ان تمام شعاعوں سے ماورا ہونے کے باوجود اپنی کرنوں سے مربوط اور متعلق بھی رہتا ہے۔ شیخ الہندؒ کے چیدہ چیدہ اوصاف و کمالات کا فیض ان کے اخلاف وتلامذہ (شاگردوں) میں ان کے اپنے اپنے پیمانے اور ظرف کے مطابق منتقل ہوا لیکن ان مختلف النوع اور متنوع بلکہ متضاد ومتبائن اوصاف کی جامع شخصیت ایک ہی رہی: شیخ الہند محمود حسنؒ۔

در پسِ آئنہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچہ استادِ ازل گفت، هماں می گویم

(ترجمہ: کارکنان قضاوقدر نے مجھے طوطی کی طرح آئینے کے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔

جو کچھ بھی معلم ازل کہتا ہے، میں وہی بولتا ہوں۔)

.......(ختم شد).......

ترکی بغاوت کا اصل محرک ۔ فتحُ اللّٰہ گولن

(عبدالباری عطوان، القدس اخبار۔ انتخاب: ڈاکٹر سید فہیم شاہ صاحب)

ترکی کی حالیہ ناکام بغاوت چند دنوں، چند مہینوں یا چند افراد کی محنت کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک شخص کی پوری زندگی کی جدوجہد اور اس کے تیار کردہ لاکھوں لوگوں، جو ترکی کے ہر محکمہ میں اعلیٰ پوسٹوں پر موجود ہیں، کی مسلسل محنت کا نتیجہ تھا، اور اس کی پشت پناہی عالمی سامراج بڑی ڈھٹائی سے کر رہا تھا۔ جن لوگوں نے پہلے دو تین گھنٹے عالمی میڈیا پہ نظر رکھی وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اس ناکام بغاوت کا بنیادی کردار فتحُ اللہ گولن نام کا ایک شخص ہے جو اس وقت امریکی ریاست پنسلوانیا کے ایک شہر سالس برگ میں امریکی حکومت کے سائے تلے چار سو ایکڑ یعنی ۳۲۰۰ کنال کے گھر میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس شخص کی سالانہ آمدن ۳۱ بلین ڈالر سے زائد ہے۔

فتحُ اللہ گولن ترکی کا متنازعہ ترین کردار ہے جو چند لاکھ لوگوں کی نظر میں تو ہیرو ہے لیکن ترکی کے کروڑوں عوام اسے ملک وملت کا باغی اور غدار سمجھتے ہیں۔ ترکی میں اس شخص کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ اب تک اس کے پیروکار ہزاروں کی تعداد میں ہر محکمہ سے گرفتار کیے جا چکے ہیں جن میں سے صرف عدلیہ میں سے ۲۵۰۰ سے زائد جج اب تک گرفتار ہو چکے ہیں۔ فتحُ اللہ گولن صرف ایک شخص نہیں ایک تحریک کا نام ہے۔ اندرون خانہ ان کا نام ''جیش النور'' اور ''جنود الحق'' ہے جس سے وابستہ افراد صرف ترکی ہی نہیں بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک خصوصاً پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور فتحُ اللہ گولن کو پیغمبر یا نبی تو نہیں لیکن اس کے قریب قریب درجہ ومقام دیتے ہیں۔ فتحُ اللہ گولن ۶۵ کتب کا مصنف ہے جن کا دنیا کی ۳۵ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس کی

۱۳ کتب کا اردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ آڈیو اور ویڈیو کیسٹوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ترکی میں فتح اللہ گولن کے اثر و رسوخ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے معتقد اعلیٰ حکومتی شخصیات کے ٹیلی فون تک ٹیپ کرتے پکڑے گئے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں:

فتح اللہ گولن کون ہے؟

اس کی تاریخ کیا ہے؟

اور اس کا مشن کیا ہے؟

فتح اللہ گولن کی جائے پیدائش ایک چھوٹی سی بستی ہے جس میں سال کے نو ماہ موسم سرما رہتا ہے۔ اس بستی کا نام کوروجک (Korucuk) ہے جو صوبہ ارض روم (Erzurum) کے شہر ''حسن قلعہ'' کا ایک نواحی علاقہ ہے۔ اس بستی کی آبادی ساٹھ ستر گھرانوں سے زائد نہیں۔ گولن کے آباؤ اجداد ''اخلاط'' نامی تاریخی گاؤں سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ ''اخلاط'' صوبہ بتلیس میں پہاڑوں کے دامن میں واقع ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد میں سے بعض حضرات وادی بتلیس کے علاقے کی طرف آئے اور اس علاقے کے لوگوں کے روحانی پیشوا بن گئے جس کے نتیجے میں اس علاقے کے ترک قبائل کے دلوں میں اسلامی روح جاگزیں ہوگئی۔

اس کوروجک نامی گاؤں کے امام مسجد رامز آفندی کے گھر ۲۷ اپریل ۱۹۴۱ء کو پیدا ہونے والے بچے کا نام محمد فتح اللہ گولن رکھا گیا۔ یہ گھرانہ اتنا مذہبی تھا کہ کمال پاشا کی طرف سے مذہبی تعلیم پر سخت پابندی کے باوجود اس کی والدہ اپنے گاؤں میں عورتوں اور بچیوں کو مذہبی تعلیم دیتی رہی اور کسی پابندی کی پرواہ نہ کی۔ فتح اللہ گولن کی ذاتی ویب سائٹ کے مندرجات، جس کی آزاد ذرائع سے تصدیق نہیں ہوسکی، کے مطابق چار سال سے بھی کم عمر میں اپنی والدہ سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور صرف ایک ماہ میں مکمل ناظرہ قرآن مجید ختم کر لیا (میں اس کا انکار اس لئے نہیں کر سکتا کہ ماضی قریب کے کچھ ایسے لوگوں کو میں ذاتی طور پہ جانتا ہوں جنھوں نے مکمل حفظ قرآن صرف ایک ماہ میں

کرلیا اور یہاں تو ناظرہ قرآن مجید کی بات ہے) گولن نے ابتدائی پرائمری تعلیم اپنے گاؤں کے اسکول ہی میں حاصل کرنا شروع کی اور عربی و فارسی زبانوں کی تعلیم و ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد رامز آفندی سے حاصل کرنا شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے والدین اپنے بعض دوستوں کے ظلم وستم و بیوفائی کا نشانہ بنے اور اس علاقہ کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ دوسرے علاقہ میں چلے جانے کی وجہ سے ارض روم کے مختلف مدارس میں حصول تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔

رامز آفندی کا تعلق علماء وصوفیاء سے بہت گہرا تھا اور ان کا دسترخوان وسیع ہونے کی بنا پر جید ترین علماء وصوفیاء کا ان کے گھر بہت آنا جانا تھا۔ علماء وصلحاء کی گفتگو اس کے کانوں میں پڑتی رہتی تھی اور ان سے ایک قلبی تعلق بننا شروع ہوگیا۔ اپنے بچپن کے دور میں جس شخصیت کے افکار و خیالات سے گولن بہت زیادہ متاثر ہوا، ان کا نام شیخ محمد لطفی الوارلی تھا۔ پون صدی کے قریب وقت گزر جانے کے باوجود گولن آج بھی ان کا نام انتہائی احترام اور محبت سے لیتا ہے، اور اس بات کا برملا اعتراف کرتا ہے کہ میں اپنے جذبات، احساسات اور بصیرت میں بڑی حد تک ان سے سنی ہوئی باتوں کا احسان مند ہوں۔ ایک وقت تھا میں ان کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو کسی دوسرے جہاں سے وارد ہونے والے الہامات سمجھتا تھا۔

اوائل عمری میں جس دوسری شخصیت کا فتح اللہ گولن کی فکری وعلمی نشو نما پہ گہرا اثر رہا وہ اس زمانہ کے بہت بڑے عالم اور چوٹی کے فقہاء میں سے ایک نام ''عثمان بکتاش'' کی شخصیت ہے۔ زمانۂ طالبعلمی میں رسالۂ نور اور طلبۂ نور کی تحریک سے گولن کی شناسائی ہوئی۔ یہ ایک ہمہ گیر احیائی اور تجدیدی تحریک تھی جس کے بانی خلافت عثمانیہ دور کے ممتاز عالم دین ومجاہد بدیع الزمان سعید النورسی رحمہٗ اللہ تھے (جنھیں کمال پاشا کے دور میں زندگی کا زیادہ حصہ جیلوں میں گزارنا پڑا اور ان کے ہزاروں معتقدین کو پھانسیاں دی گئیں) آخری بار جب ان کو جیل سے رہا کیا گیا تو چھبیس رمضان کو رہا کیا گیا اور ستائیس رمضان کو وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ رحمہٗ اللہ رحمۃً واسعہ۔ گولن اپنی زندگی کا ایک

بڑا حصہ ان سے بھی بہت متاثر رہا اور ان کا معتقد تھا۔ (افسوس بعد میں وہ ان سب بزرگوں کی تعلیمات بھلا بیٹھا) صرف چودہ سال کی عمر میں فتح اللہ گولن نے اپنے والد کی مسجد میں خطبۂ جمعہ دیا جسے علاقہ کے لوگوں نے بہت سراہا۔

گولن نے سعید نورسیؒ کے آئیڈیاز اور ان کی تحریک کو لوگوں تک پہنچانا شروع کیا۔ انیس سال کی عمر میں گولن نے ارض روم کو چھوڑ کر مغربی ترکی کے شہر ادرنہ کا رخ کیا، جسے ترکی کا مغربی دروازہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے اس شہر کی جامع مسجد ''اُچ شرفلی'' کا امام و خطیب مقرر کیا گیا۔ اڑھائی سال کے بعد یہاں سے ''کرکلارالی'' نامی شہر میں امام مقرر ہوا۔ یہاں سے ۱۹۶۶ء میں ازمیر میں تبادلہ ہوا۔ پچیس سال کی عمر میں جب ازمیر شہر کی ایک مسجد میں گولن امام و خطیب تھا تو اس نے چھوٹے بزنس مینوں اور بیوروکریسی کے افراد کو نورسی تحریک کے روشن اصول وضوابط کے ذریعے اپنے حلقہ اثر میں لانا شروع کیا۔ ازمیر کی جامع مسجد ''کستانہ بازاری'' سے ملحق ''مدرسہ تحفیظ القرآن'' کو اپنا مرکز مقرر کر کے اپنے کام کا آغاز کیا۔ قصبوں، دیہاتوں، چھوٹے اور بڑے شہروں میں وعظ کرنے شروع کئے، اور اتنا مقبول ہو گیا کہ پورے صوبہ ارض روم اور دیگر صوبوں میں شیخ فتح اللہ کے نام سے مقبول ہو گیا۔

۱۹۷۰ء کے آغاز میں تربیتی کیمپ لگانے شروع کئے اور اپنا حلقہ اثر وسیع کرنا شروع کر دیا۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں اس وقت کی حکومت پہ فوجی دباؤ کے نتیجہ میں گولن کو اس الزام میں گرفتار کر لیا گیا کہ گولن ملکی نظام کی اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی بنیادوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ چھ ماہ کے بعد عام معافی کا اعلان ہوا۔ اس کے نتیجہ میں گولن کو بھی رہا کر دیا گیا۔

یہی وقت تھا کہ گولن کی سوچ وفکر میں یہ تبدیلی آئی کہ جب تک فوج اور بیوروکریسی میں وسیع پیمانے پر اپنے ہم خیال لوگ نہیں ہو جاتے کامیابی ناممکن ہے۔ اربابِ اختیار نے گولن کو پہلے ادرمیت پھر مانیسا اور اس کے بعد ازمیر کے ایک علاقہ بورنوا کی طرف منتقل کیا۔ ۱۰ سال کا عرصہ گولن

کو فٹ بال کی طرح مختلف علاقوں میں لڑھکاتے رہے لیکن گولن جس علاقہ میں بھی گیا اپنی تقاریر اور شعلہ بیانی سے لوگوں کو متاثر اور اپنے قریب کرتا رہا۔

گولن بنیادی طور پر قوم پرست ہے اور اس کی سوچ و فکر کا بنیادی زاویہ ترکی میں قوت و طاقت کا حصول اور ذاتی معاشی استحکام تھا۔ گولن وجودی فلاسفہ مارکوس، البرٹ کامو اور سارتر سے بہت زیادہ متاثر ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد کمالسٹ فوج اور بیوروکریسی کی مدد سے گولن نے ''خدمت'' (ترکی نام 'ہیزمت') تحریک کی ابتدا کی۔ شام کے ایک ممتاز عالم الشیخ محمد وائل الحنبلی، جن کی ''خدمت تحریک'' کے سرکردہ افراد سے تقریباً دس سال قبل شام اور کویت میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں، کے بقول خدمت تحریک کے سرکردہ افراد جب شام اور کویت میں تبلیغ کے بہانے آتے تھے تو ان کا اصل مطمع نظر بڑے بڑے بزنس مینوں سے اور سرکردہ افراد سے ملاقات اور ان کو اپنے حلقہ اثر میں لانا اور ان سے چندہ بٹورنا ہوتا تھا۔ تصوف سے وابستہ لوگوں کے سامنے یہ فتح اللہ گولن کو بہت بڑا صوفی بنا کر پیش کرتے، سائنسدانوں کے سامنے بہت بڑا سائنٹسٹ، علماء کے سامنے بہت بڑا عالم اور حافظ الحدیث، سیاست دانوں کے سامنے بہت بڑا سیاست دان بنا کر پیش کرتے، وغیرہ وغیرہ۔

خدمت تحریک نے اپنے کام کا آغاز ترکی میں اسکولوں، اکیڈمیوں اور تربیتی مراکز کے قیام سے کیا، جن میں پہلے درجہ سے ہی انگلش تعلیم لازمی تھی، مرد و خواتین اساتذہ کے درمیان ناجائز تعلقات کی حوصلہ افزائی کی جاتی، نیز بارہ چودہ سال کے بچے اور بچیاں، جو نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے ہوتے تھے، کو بھی آپس میں تعلقات بنانے کی طرف راغب کیا جاتا۔ اس ''سسٹم آف اسکول'' میں پڑھنے والے بچوں کے لئے ہاسٹل میں رہنا لازمی ہے۔ نیز سرکاری اسکولوں کے گریڈ آٹھ تک کے وہ بچے جو لائق ہوتے تھے ان کے والدین سے ملاقاتیں کر کے ان کو یہ لالچ دیا جاتا کہ اگر آپ کے بچے ہمارے اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں گے تو فوج، پولیس، عدلیہ و بیوروکریسی کے دیگر محکموں میں ان کی ملازمتیں ہماری ذمہ داری ہے۔ کچھ عرصہ بعد دیگر اسلامی و مغربی ممالک میں بھی مہنگے مخلوط

اسکول بنانے شروع کیئے۔

۱۹۹۸ء میں پوپ جان پال دوئم کی دعوت پر اس سے اور کچھ ہی عرصہ بعد صیہونیوں سے ملاقاتوں کے بعد فتح اللہ گولن نے فتویٰ جاری کیا کہ یہودی اور عیسائی بھی جنت میں جائیں گے اور قرآن مجید یا احادیث میں جنت کا جو وعدہ صرف مسلمانوں کے لئے مسلم اسکالر پیش کرتے ہیں یہ عرب کے جاہل بدوؤں کی طرف سے قرآن میں کی گئی تحریف ہے (نعوذ باللہ)۔اس فتویٰ کے بعد صیہونی سرمایہ کاروں کی طرف سے گولن کو اس کی تنظیم خدمت کے لئے لاکھوں ڈالر کے عطیات دیئے گئے جن سے اس نے ترکی اور دیگر ممالک میں اپنے اسکولز کی تعداد تین ہزار تک بڑھالی، اور پھر ان اسکولوں کی آمدن سے پہلے جرائد ورسائل، پھر ریڈیو اسٹیشنز، پھر ٹی وی و دیگر شعبوں بینکنگ، اسٹاک ایکسچینج، وغیرہ میں سرمایہ کاری کی گئی۔

ترکی میں اس وقت آٹھ ٹی وی اسٹیشن فتح اللہ گولن کی ملکیت ہیں۔ترکی کے جن ڈراموں کو پاکستان میں بڑی محبت اور عقیدت سے دیکھا جاتا ہے وہ ڈرامے گولن ٹی وی نیٹ ورک ہی کے تیار کردہ ہوتے ہیں۔ان تمام کاروباروں سے ۲۰۱۳ء تک گولن تحریک (خدمت) کی آمدن ۳۰ بلین ڈالر سالانہ سے زائد تھی۔

امریکہ میں موجود یہودیوں کی صیہونی لابی (Zionists) کے تعاون سے گولن نے امریکہ میں '۱۲۹' سکول قائم کیئے جن کی سالانہ آمدن ۴۰۰ ملین ڈالر ہے۔ پاکستان، بنگلہ دیش و دیگر اسلامی ممالک میں خدمت نے صیہونی فنڈنگ سے سینکڑوں اسکول قائم کیئے ہیں جن کا بظاہر دعویٰ یہ ہے کہ ہم ٹرکش کلچر اور ٹرکش زبان کے فروغ کے لئے کام کررہے ہیں۔ان اسکولوں کے قیام کے لئے ٹرکش نیشنلسٹ بزنس مینوں سے بھی کروڑوں ڈالر عطیات لئے گئے ہیں نیز امریکہ میں موجود یہودیوں کی صیہونی لابی سے بھی کروڑوں ڈالر کے عطیات لئے گئے ہیں۔ جو تجربہ وہ کامیابی سے ترکی میں کر چکے ہیں وہی تجربہ پاکستان، بنگلہ دیش و دیگر کئی عرب و مسلم ممالک میں کرنا چاہتے ہیں، کہ فوج اور سول

بیوروکریسی میں ہمارے لوگ موجود ہوں۔ ترکی میں اس وقت کوئی محکمہ ایسا نہیں جس میں گولن کی تنظیم 'خدمت' کے افراد کلیدی عہدوں پہ موجود نہ ہوں۔

گولن نے ۱۹۸۰ء کے جنرل کنعان ایورن کے مارشل لاء کی ظاہری بھی اور اندرون خانہ بھی بہت زیادہ حمایت کی تھی۔ انعام کے طور پر فوجی حکومت نے گولن کو مالی انعامات سے نوازا۔ ''زمان'' اخبار جو اس سے قبل ایک چھوٹا سا علاقائی اخبار تھا دفعتاً پورے ملک کا دوسرے نمبر کا بڑا اخبار بن گیا۔ گولن ۲۰۱۳ء تک صدر رجب طیب اردگان کا بظاہر بہت بڑا حمایتی تھا لیکن اندرون خانہ گورنمنٹ میں مختلف خفیہ اقدامات خصوصاً اعلیٰ افسران کی فون ریکارڈنگ اور اس کے نتیجہ میں ان کو بلیک میل کرنا، جعلی آڈیو ٹیپس بنانا اور اردگان کی پارٹی پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے کی وجہ سے اردگان نے ۲۰۱۳ء میں اتحاد ختم کر لیا اور ترکی میں اس کے اثاثوں کی چھان بین شروع کر دی۔

بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے لیڈروں کو جب سزائے موت سنائی گئی تو طیب اردگان نے ان کی سخت ترین مخالفت کی جبکہ گولن نے بنگلہ دیشی حکومت کی حمایت کی۔ غزہ میں معصوم فلسطینی بچوں اور عورتوں پر اسرائیلی فوجیوں کے ظالمانہ و بہیمانہ اقدامات کے خلاف سب سے مضبوط آواز عالم اسلام سے طیب اردگان کی تھی جبکہ گولن اسرائیلی اقدامات کی حمایت اور ان کو اس کا اندرونی معاملہ قرار دیتا رہا۔ غزہ کے مظلومین کے لئے ۲۰۱۳ء میں غذائی اجناس پر مشتمل ایک فلوٹ بھیجا گیا جسے اسرائیلی فوجوں نے بیچ سمندر کے روک لیا۔ پوری دنیا سے گولن کی واحد آواز اسرائیل کے حق میں اٹھی کہ انہیں امداد لے جانے سے قبل اسرائیل سے اجازت لینی چاہئے تھی۔

رجب طیب اردگان کے خلاف ۲۰۱۳ء میں گیزی پارک میں ہونے والے مظاہرے کی کرتا دھرتا گولن کی خدمت تحریک ہی تھی اور نوے فیصد سے زائد مظاہرین کا تعلق گولن تحریک ہی سے تھا۔ اسرائیل اور صیہونیوں سے قریبی اور مضبوط تعلقات اور ان مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر طیب اردگان نے فیصلہ کیا کہ ہر سطح پہ گولن تحریک سے وابستہ افراد کے ملکی و اسلامی مفاد کے خلاف اقدامات

کو سبوتاژ کیا جائے۔ پچھلے تین سالوں میں اس سلسلہ میں کافی مؤثر اقدامات کئے گئے اور ہزاروں گولنی افراد کو مختلف محکموں سے کان پکڑ کر باہر نکال دیا گیا جس کے نتیجے میں طیب اردگان کی حکومت کو فوج میں موجود اپنے حامیوں کے ذریعے ختم کرنے اور ملک میں مارشل لاء لگانے کی کوشش کی گئی۔ اس بار تو اردگان اللہ کی رحمت اور عوام کی مدد سے بچ گئے ہیں لیکن امریکی، ایرانی اور صیہونی آلۂ کار مستقبل میں بھی طیب اردگان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اگر ان کا مکمل قلع قمع نہیں کیا جاتا۔

رجب طیب اردگان کو اب پہلے سے بھی بہت زیادہ اپنے عوام کے قریب ہونا پڑے گا اور ملکی وعوامی فلاح و بہبود کے لئے اپنا تن من دھن نچھاور کرنا پڑے گا۔ اللہ کریم ترکی کے غیور و بہادر مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے اور اندرونی و بیرونی دشمنوں سے ان کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(صفحہ نمبر ۴۱ سے آگے)

دیکھے گئے ان کی تفصیل میں نے شفیع اللہ نامی آدمی سے سنی، جو گاؤں بوقو کا رہائشی ہے اور وہ ان تین آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے قبر کو کھولا۔ اس نے مجھے یوں تفصیل بتائی: ''ہم جس وقت قبر کھول رہے تھے تو گرمی اور گھبراہٹ کی وجہ سے میرے سارے بدن پر پسینہ آیا ہوا تھا، لیکن جیسے ہی قبر کھل گئی تو ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اندر سے آیا اور میرا پسینہ خشک ہو گیا۔ اس کا کفن آٹھ سال بعد بھی بالکل صحیح سالم تھا گویا کہ ابھی دفن کیا گیا ہو۔ جس تابوت میں اسے دفن کیا گیا تھا اس کے لاثانی کے تختے تو گل سڑ کر ختم ہو گئے تھے، صرف لکڑیوں کا ڈھانچہ باقی تھا، لیکن اس کے اوپر جس جگہ اس کی ٹوپی رکھی گئی اس جگہ کی لاثانی شیٹ اور ٹوپی بالکل ٹھیک تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جب ہم تین آدمیوں نے اس کو قبر سے دوسرے تابوت میں رکھا تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس کے جسم کو ہلاتا ہوں اگر وہ ہڈیاں ہو چکا ہو تو پورا نہیں ہلے گا۔ لیکن جب میں نے اسے ہلایا تو اس کا پورا جسم ایک ساتھ ہل گیا یعنی کہ اس کا پورا بدن بالکل صحیح سالم تھا۔

ایمان افروز

(انجینئر عنایت اللہ۔شاہ منصور صوابی)

اے ایس پی سلمان ایاز کا تعلق ضلع صوابی کے گاؤں ''بوقو'' کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم آرمی کے مختلف اداروں سے حاصل کی اور بی اے کا امتحان بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی سے پاس کیا۔ سال ۲۰۰۲ء میں انھوں نے مقابلے کے امتحان میں صوبہ خیبر پختونخواہ سے چوتھی پوزیشن حاصل کی اور محکمہ پولیس میں بھرتی ہوگئے۔

سلمان ایاز کی شہادت ۱۷ جنوری ۲۰۰۶ء کو راولپنڈی میں ایک اغواء کار گروہ کے خلاف لڑتے ہوئے ہوئی۔ کارروائی کے دوران اغواء کیے گئے بچے کو کامیابی سے بازیاب کرانے کے بعد دوران مقابلہ انھیں گولی لگی جس سے وہ شہید ہوگئے۔ ان کو صوابی کے گاؤں ٹوپی میں دفن کیا گیا۔ حکومت پاکستان نے ان کی بہادری کے اعتراف میں انھیں ۲۳ مارچ ۲۰۰۷ء کو ستارۂ شجاعت کے اعزاز سے نوازا۔

سلمان ایاز کی شہادت کے آٹھ سال بعد ۲۰۱۴ء میں ان کے والدین اور خاندان والوں کے آپس کے تنازعہ کی وجہ سے ان کی آبائی زمین تقسیم ہوگئی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں سلمان ایاز کی قبر والی زمین رشتہ داروں کے حصے میں آئی۔ ان کے والد کو اطلاع دی گئی کہ اپنے بیٹے کے قبر کو یہاں سے منتقل کردیں۔ پہلے تو والد نے رشتہ داروں کو منانے کی کوشش کی کہ اس کی قبر کو چھوڑا جائے لیکن جب وہ کسی صورت راضی نہ ہوئے تو انھوں نے علماء سے مشورہ کر کے بیٹے کی لاش کو اپنی زمین (گاؤں بوقو) میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اپریل ۲۰۱۴ء میں انکی قبر کو کھولا گیا۔ قبر کھولتے وقت پولیس کے علاوہ علماء کرام اور گاؤں کے لوگ بھی کافی تعداد میں جمع تھے۔ قبر کھولنے کے بعد جو حیران کن مناظر (باقی صفحہ نمبر ۴۰ پر)

ایک قادیانی مربی (اتنا بڑا عالم جو دوسروں کی تربیت کرے)

کے اسلام قبول کرنے کی داستان

(ماسٹر عزیز احمد صاحب۔لوند خوڑ، مردان)

گاؤں کی جس جامع مسجد میں بندہ خطیب ہے اسی میں ختمِ نبوت کے حوالے سے ایک اجتماع کا انعقاد کیا گیا جس میں ڈاکٹر عبدالسلام نام نہاد ایٹمی سائنسدان کے نومسلم داماد جناب نذیر احمد صاحب (سابق قادیانی) کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ذیل میں ان کی کارگزاری پیش خدمت ہے۔

....

میں مختصر سا اپنا تعارف کروا دیتا ہوں اور یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ مرزائیت کس طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوتی ہے یا ان کے اندر کیا چیزیں ہیں جو ہمارے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے قابو میں کر لیتی ہیں۔

میرا نام نذیر احمد ہے۔ضلع جھنگ سے اور جھنگ شہر سے ہی میری پیدائش ہے۔میرا گھر، میرے والدین اور میرے بڑے بھائی بہت پکے قادیانی تھے۔آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ میرے والد ۲۲ سال تک جھنگ شہر کے قادیانیوں کے صدر رہے اور میری والدہ چھ سال تک ان کی عورتوں کی صدر رہیں۔میرا ایک بڑا بھائی چھ سال تک اور دوسرا آٹھ سال ان کے نوجوانوں کا صدر رہا۔ایسے گھرانے میں میری پیدائش ہوئی۔قادیانیوں کا یہ طریقہ کار ہے کہ پیدائش سے پہلے اپنے بچے کو قادیانیت کیلئے وقف کیا جاتا ہے۔جامعہ احمدیہ جو قادیانیوں کا ایک مدرسہ ہے اس میں اس بچے کو داخلہ دیا جاتا ہے جس کو پیدائش سے پہلے اس کا باپ قادیانیت کے لئے وقف کر دے۔مجھے بھی میری پیدائش سے پہلے وقف کر دیا تھا۔اس میں داخلے کیلئے میٹرک کا ہونا ضروری ہے۔میٹرک تک اس کی تربیت اس کے والدین اور وہاں کے جو قادیانی ہوتے ہیں وہ کرتے ہیں۔مجھے ایک ایسی جگہ سکول میں داخل کیا گیا جہاں پر قادیانی استاد موجود تھے اور اس بات کا بڑا خاص خیال رکھا

جاتا ہے کہ بچے کی تربیت خالص قادیانی رنگ میں ہوتا کہ وہ اس رنگ میں بڑا ہو کر اپنے مذہب کی تبلیغ کر سکے۔اس طرح میٹرک کی تعلیم کے بعد میں نے ۱۹۹۲ء میں جامعہ احمدیہ چناب نگر میں داخلہ لیا۔داخلہ کیلئے بڑی کڑی شرائط ہوتی ہیں۔آپ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ ۲۵۰ لڑکے داخلہ لینے کیلئے تھے جن میں سے صرف ۵۰ لڑکوں کو داخلہ ملا۔۲۰۰ لڑکوں کو داخلے کیلئے اہل ہی قرار نہیں دیا گیا اور واپس کر دیا گیا۔

اسی طرح جامعہ میں پانچ سال کی تعلیم کے بعد جب ان کو میدانِ عمل میں لایا جاتا ہے تو ایک سال تک ان کو عملی تربیت دی جاتی ہے۔جس طرح ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ڈاکٹروں کو ایک سال ہاؤس جاب کروائی جاتی ہے۔اسی طرح مربیوں (جو ان کا درسِ نظامی مکمل کر کے نکلتا ہے ان کو مربی کہا جاتا ہے) کو کسی سینئر کے ساتھ ایک سال تک ہاؤس جاب کیلئے سپرد کیا جاتا ہے تا کہ وہ اس طریقے سے کام کر سکے۔اب تو میں استغفار کرتا ہوں کہ اس وقت میں اپنی سعادت سمجھتا تھا کہ جامعہ احمدیہ کی تاریخ میں سب سے کم عمر میں ہوں۔اس بات پر میں بڑا فخر کیا کرتا تھا۔چونکہ میں قادیانیت کو سچا مذہب سمجھتا تھا اس لئے بہت لگن سے کام کرتا تھا۔

میری درجہ بدرجہ ترقی ہوتی گئی اور مجھے صوبہ سندھ کا نائب ناظم مقرر کیا گیا اور مجھے ٹارگٹ دیا گیا کہ صوبہ سندھ کے اندر ایک ایسا علاقہ تلاش کیا جائے جو کہ چناب نگر کا متبادل بن سکے،جس کو یہ ربوہ کہتے ہیں، کہ اور چھوٹا ربوہ بن جائے۔میں نے پورے صوبہ سندھ کا دورہ کیا اور تھر پارکر کے ضلع کو چنا کیونکہ قادیانیت ہمیشہ وہاں پر گھات لگاتی ہے جہاں پر علم اور علما کی کمی ہو،لوگوں کے پاس بنیادی وسائل کی کمی ہو۔جہاں غربت ہو وہاں قادیانیت کیلئے ایک سبز باغ ہوتا ہے اور یہ لوگ وہاں پر حملہ کرتے ہیں۔میں نے اپنے بڑوں کو یہی کرتے دیکھا تھا اس لئے ان کے راستے پر چلتے ہوئے تھر پارکر کو چنا۔وہاں پر میں نے سب سے پہلے پانی کا ایک کنواں بنوایا۔لوگوں کو وہاں پانی کی بڑی سخت ضرورت تھی۔اس وجہ سے لوگ ہجوم در ہجوم میرے پاس آنے لگے۔اس کے بعد میں نے

۲۴۰ کنال پر محیط ایک ہسپتال ''المہدی ہاسپٹل'' تعمیر کروایا جو کہ اب بھی موجود ہے۔

اس وجہ سے لوگوں کی مزید کشش ہماری طرف ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ لوگ ہمارے قابو میں آچکے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ ہمارا ایمان لوٹا جا رہا ہے اور میں نے تقریباً ۱۳۰۰ لوگوں کا ایمان لوٹا بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لئے وہاں پر ہدایت کا ایک رستہ بنا دیا۔

جب میں وہاں پر المہدی ہسپتال بنوا رہا تھا تو وہاں پر کروڑوں روپے کے فنڈ میرے ہاتھ میں تھے۔ مجھ سے ایک سینئر تھے احسان اللہ چیمہ جو پورے صوبے کے ناظم تھے، دستخط انھوں نے کرنے ہوتے تھے اور بل وغیرہ میں بنواتا تھا۔ چناب نگر کے آڈیٹر تھے خالد، انھوں نے کہا کہ آپ نے اس ماہ بل بہت زیادہ بھیجے ہیں۔ میں چناب نگر آیا تو بہت ہی تعجب ہوا کہ جو دستخط تھے وہ بھی میرے تھے اور جو بل بنا تھا وہ بھی میرا ہی تھا لیکن جو رقم لکھی ہوئی تھی وہ بہت زیادہ تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں اللہ نے مجھے راستہ دکھایا کہ جماعت تو کہتی ہے کہ ہم اللہ کی جماعت ہیں، ہم پاک لوگوں کی جماعت ہیں، جو غریبوں سے چندہ لیتی ہے۔ (اور یہ گھپلا ہے)

یہاں پر میں آپ کو یہ بات بتا دوں کہ قادیانیوں میں چندے کا اتنا مربوط سسٹم ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک کسی کی جرأت ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ چندے سے پھر سکے۔ ہر قادیانی اپنی آمدن کا دسواں حصہ چندے میں دیتا ہے اور اس طرح کے ۴۵ مختلف قسم کے چندے اور ہیں۔ ان سب کو چندوں کو ملا کر ۳۵ فیصد آمدنی قادیانی جماعت وصول کرتی ہے۔ جس کی ایک دن کی مزدوری ۵۰۰ روپے ہوتی ہے وہ ۵۰ روپے روزانہ کے حساب سے چندہ دیتا ہے۔ آپ اندازہ لگا لیں کہ جو جھوٹے نبی کو ماننے والے ہیں کس طرح اپنی جماعت کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ تو میں نے سوچا کہ یہ جماعت سچی ہو ہی نہیں سکتی۔

میرے ایک استاد محترم نے تھے ماسٹر عبدالحق صاحب۔ وہ مسلمان تھے۔ میں ان کے

پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ کسی مسلمان عالم یا سکالر کے ہاں آپ کو نہیں بھیج رہا۔ آپ خود اپنے اللہ سے مدد مانگیں۔ اگر میں آپ کو ان لوگوں کے پاس بھیجوں تو شاید آپ نہ مانیں۔ تو میں نفلی اعتکاف میں بیٹھا۔ اعتکاف کے اندر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت فضل کیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ مجھے ایک بیماری لگ گئی اور میں زار و قطار روتا ہوں اور اسی دوران ایک انتہائی پُر وقار اور پُر نور چہرہ دیکھا۔ ایسا چہرہ میں نے پوری زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں تو میں نے ان کو کہا کہ میری اس وقت جو حالت ہے کیا وہ رونے کے قابل نہیں ہے۔ انھوں نے میرے سر اور سینے پر ہاتھ رکھا تو وہ بیماری ٹھیک ہوگئی اور مجھے کہا کہ اب فرمانبردار ہو جاؤ۔ یہ وہ لمحہ تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے وضو کیا اور دو رکعت نفل پڑھے اور اپنے اللہ سے عہد کیا کہ میں آج کے بعد نبی پاک ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہوں اور آپ کے بعد نبوت کے کسی بھی دعویدار کو دجال، کذاب اور جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی کے مصداق مرزا غلام احمد قادیانی جھوٹا، کذاب اور دجال ہے اور میں نے مرزے پر لعنت بھیجتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی سچی غلامی اختیار کر لی۔ لیکن اب کیا تھا کہ ایک شخص جس کا سارا خاندان، سارے رشتہ دار اور جس کی ساری زندگی قادیانیت میں گزری، جو خود قادیانیت کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا، سینکڑوں افراد کو قادیانی بنا کر سوچ رہا تھا کہ اگر میں صبح اعلان کروں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں تو پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہو۔ میں نے دو سال بلکہ تین سال کے قریب اپنے بیوی بچوں کو سمجھانے کی کوشش کی، اور یہ خواہش تھی کہ چلو کوئی اور نہ سہی کم از کم میری بیوی اور میرے بچے تو مسلمان ہو جائیں مگر اتنی کوشش کے باوجود ایسا ممکن نہ ہو سکا بلکہ میرے سمجھانے سے یہ حاصل ہوا کہ میری اہلیہ (ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی نوبل پرائز کی بیٹی) جماعت احمدیہ کے دفتروں میں جا کر بتاتی کہ میرا شوہر یہ کہہ رہا ہے، آج مرزا کو یہ کہہ رہا ہے، تو مجھے دفتر میں بلوایا گیا، چناب نگر کے اندر ان کی اپنی ایک حکومت ہے، ان کی اپنی عدالتیں ہیں، اپنی چوکی اور اپنا تھانہ ہے، تو مجھے ایک ایسی جگہ

بلوایا گیا جو جماعت احمدیہ کا بہت بڑا ٹارچر سیل ہے۔ وہاں پر جو صدر مربی تھا اس نے کہا کہ کیا تو مسلمان ہو گیا ہے؟ اس کو تو نہیں کہا لیکن اپنے دل میں کہا کہ اللہ نے کافروں کے منہ سے بھی یہ بات نکلوائی کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ مطلب یہ کہ اگر وہ خود مسلمان ہوتے تو کبھی یہ نہ کہتے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ اللہ نے مجھے وہاں پر اتنی امداد دی کہ میں نے کہا۔

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

میں نبی پاک ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہوں۔ مرزا غلام احمد پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اللہ نے اتنی ہمت دی۔ حقیقت ہے کہ وہاں پر اتنی ہمت کیسے ممکن ہوئی مگر اللہ نے اپنا فضل کیا۔ مجھے تو اس وقت انھوں نے کچھ نہیں کہا مگر جاتے ہوئے جب دروازے سے نکلنے لگا تو پیچھے سے اس صدر مربی نے کہا کہ نذیر تمہاری حالت اب یہ کر دیں گے کہ تم گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے ہم سے معافی مانگو گے۔ بہر حال میں خاموشی سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد انھوں نے میری بیٹی کو اغوا کر لیا جو کہ ساڑھے پانچ سال کی تھی۔ بچی کو سکول چھوڑنے جا رہا تھا۔ اور ایک خطیر رقم انھوں نے مجھ سے تاوان میں لی اور اس کو واپس بھیج دیا۔ اس کے اگلے دن چناب نگر میں جو سرکاری تھانہ موجود ہے وہ بھی پیسوں کی وجہ سے ان کے زیرِ سایہ ہے، انھوں نے مجھے بچی کے کیس میں اٹھا لیا اور میرے اوپر اتنا تشدد کیا اور تشدد کے وقت وہ مرزائیوں کے بڑے کنجر جو تھے وہ موقع پر موجود تھے۔ انھوں نے تشدد سے پہلے آخری دفعہ کہا کہ اب بھی موقع ہے، اگر تم دوبارہ اپنے رتبے پر آ جاؤ اور مربیوں کا کام کرو تو ہم اب بھی تمہیں بچا سکتے ہیں۔ اللہ نے مجھے وہاں بھی اپنی مدد سے نوازا اور خدا شاہد ہے کہ میں نے انسپکٹر کو یہ للکار کر کہا: ''تم بروز قیامت میرے مجرم ہو گے کیونکہ تم مسلمان بنے پھرتے ہو مگر تم نبی پاک ﷺ کے دشمن ہو۔'' بہر حال چونکہ اس کی آنکھوں پر چربی تھی، پیسے کا سایہ تھا، اس نے میرے جسم پر اتنا تشدد کیا جس کے نشانات آج بھی میرے جسم پر موجود ہیں۔ میں تھوڑے سے دوستوں کو جو سامنے بیٹھے ہیں دکھاتا ہوں (زخمی جسم دکھاتے ہوئے) مجھے انھوں نے

لوہے کی سلاخوں سے جلایا۔ میرے جسم کے ہر حصے کو انھوں نے جلایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی مدد دی کہ میں ثابت قدم رہا۔ میرے یہاں آنے کا مقصد آپ لوگوں کو جگانا ہے۔ میں لوگوں کو کہتا ہوں کہ خدارا اپنی آنکھیں کھولو، دیکھو آپ کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ قادیانیت کس طرح آپ کے اوپر حملہ کر رہی ہے۔ میں تھوڑی بات آپ لوگوں کو بتادوں کہ ہم جو کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے عاشق ہیں، میں تھوڑا سا موازنہ کرنا چاہتا ہوں، میرا مقصد ہرگز آپ سے چندہ لینا نہیں ہے، میرا مقصد یہ ہے کہ آپ کو پتہ چل جائے کہ قادیانیت اپنے جھوٹے نبی کی دعوت کو پھیلانے کے لئے کیا کچھ کر رہی ہے اور ہم مسلمان جو دعویٰ کرتے ہیں تو اپنے برحق نبی کے دین کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ ایک مرزائی اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اپنے جھوٹے نبی غلام احمد کانے کیلئے خرچ کر رہا ہے۔

ہم سب میں کوئی ایسا مسلمان موجود ہے جو پورے حساب کتاب کے ساتھ نبی پاک ﷺ کے تاج وتختِ ختم نبوت کی خاطر اپنی آمدنی کا دسواں حصہ خرچ کرتا ہو۔ کوئی ایسا موجود ہے آپ میں! تو آپ سوچیں کہ بہتر کون ہے اس لحاظ سے۔ جو کام ہم نے اپنے نبی پاک ﷺ کے تاج وتخت ختم نبوت کیلئے کرنا تھا وہ کام ایک جھوٹا دجال کر رہا ہے۔ ایک ایسا شخص انھوں نے اگلے پچاس سال کیلئے ایک لابی تیار کی ہے جو کہ ہمیں کرنی چاہئے تھی۔ ایک شخص حکم دیتا ہے کہ جتنی بھی قادیانی عورتوں کے پیٹ میں بچے بچیاں ہیں وہ قادیانیت کے لئے وقف کر دیں۔ اس کی ایک آواز پر ۳۶۰۰۰ (چھتیس ہزار) بچے بچیاں وقف ہو جاتے ہیں۔ کس لئے؟ کہ مرزے کی تعلیمات اور جھوٹی نبوت کو آگے پھیلائیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنھوں نے اپنے بچے کی پیدائش سے پہلے کہا ہو کہ میرا یہ بچہ نبی پاک ﷺ کیلئے وقف ہے۔ ہے کوئی ایسا دوست یہاں پر؟ نہیں تو افسوس ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اس بات کی طرف توجہ دیں۔ آپ کے پاس اکابرین موجود ہیں، ان سے ختم نبوت کے بارے میں پوچھیں یہی میرا آنے کا مقصد ہے۔

☆☆☆☆☆

حق کی تلاش

(شمس الہادی صاحب کوہاٹ)

وہ میرے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ جب بھی دوستوں کی دعوت کرتے تو خصوصی فون کر کے مجھے بلاتے۔ وہاں سارے علماء ہوتے مگر بندہ کو خصوصیت سے بلاتے۔ بندہ ان کے گھر کا علاج معالجہ بھی کرتا رہا مگر یہ قدرتی بات ہے کہ ''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے''۔ جو دل کسی سے محبت کرے تو دوسرا دل بھی محبت کرنے لگتا ہے، مگر بندہ کے دل میں (دل کا تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) ان کے لئے کوئی محبت نہ تھی۔ بس ہاں میں ہاں ملاتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ کبھی بندہ سوچتا کہ کوئی ایسی جگہ مل جائے کہ وہاں پر سکون مل جائے۔ اگر بندہ کو سکون ملتا تو مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کے خطبات ومواعظ پڑھنے میں ملتا، مگر مفتی صاحب سے ملاقات کے حالات بندہ کے لئے اپنی لازمت اور روزی کی جدوجہد کی وجہ سے کافی مشکل تھے۔ بندہ کا یہ دوست پنج پیری تھا اور پنج پیری کہتے ہیں کہ اصلی دیوبندی تو ہم ہیں۔ وہ ہمیشہ توحید پر بولتا، توحید سناتا اور توحید پڑھاتا۔ رمضان میں سات گھنٹے اور عام دنوں میں صبح ایک گھنٹہ درس کا معمول تھا۔ ایف ایم پر بھی درس دیتا تھا۔ مسجد کا درس مینارے والے لاؤڈ سپیکر کے ہارنوں سے نشر ہوتا تھا۔ زمین ہموار ہے، آبادی کم ہے، اس لئے سات کلومیٹر تک آواز جاتی ہے۔ جب یہ سپیکر آن ہوتا تو نزدیک کے لوگ نہ آرام کر سکتے تھے، نہ مطالعہ، نہ تلاوت کر سکتے تھے۔ بیمار آرام کی ضرورت کے باوجود آرام نہیں کر سکتے تھے۔

بندہ کو گھر کے لئے ایک دوست نے قرض حسنہ دیا اور بندہ نے اس پنج پیری مولوی صاحب سے تیرہ کلومیٹر فاصلے پر مکان بنایا۔ یہ وہاں بھی ملاقات کے لئے آجاتا۔ کھانا، چائے اور اس کے بعد خوب ہنسی مذاق کی مجلس کر کے رخصت ہوجاتا۔ ایک دن اچانک میرا یہ دوست یعنی پنج پیری مولانا آیا، بندہ گھر پر موجود تھا، دروازہ کھولا، اس نے گاڑی جلدی سے اندر کی اور حجرے میں بیٹھ گیا۔ اس

کے ساتھ دو بچے اور ایک بابا جو مدرسہ میں رہتا ہے، بھی تھے۔ مولانا بہت ہیبت زدہ لگتا تھا۔ بندہ نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے، گھبرائے ہوئے لگتے ہو؟ یہ ۲۰۰۷ء کا واقعہ ہے۔ مولانا نے کہا کہ میری گاڑی سے ایک سائیکل سوار لڑکا لگ گیا اور قلابازیاں کھا کر گر گیا۔ میرا سائیڈ والا شیشہ ٹوٹ گیا ہے اور اگر پولیس والے آگئے تو شیشہ وہاں پڑا ہوگا اور پریشانی یہ ہے کہ اگر شیشہ میں کوئی نمبر وغیرہ ہو گاڑی کا تو! بندہ نے بات کاٹتے ہوئے کہا آپ نے لڑکے کو کیوں نہیں اٹھایا؟ اس کو ہسپتال پہنچاتے، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ مولانا نے کہا کہ حادثے والی جگہ کے لوگ خطرناک ہیں۔ (سڑی نہ ڈز پوریہ کوی)۔ آدمی پر فائر تک کرتے ہیں۔ پھر میں نے کہا کہ جب آپ سے لڑکا لگا تو دوسری گاڑیاں یا لوگ نہیں تھے آس پاس۔ اس نے کہا کہ ایک فلائنگ کوچ نے آپ کے گھر کی سڑک تک میرا پیچھے گاڑی لگائی ہوئی تھی۔ میں نے کہا انہوں نے تو نمبر نوٹ کیا ہوگا۔ کہا: اسی وجہ سے تو گاڑی یہاں چھپائی! اس کا شیشہ ٹوٹا ہے، میں پشاور سے شیشہ لاتا ہوں۔ مولانا اتنا گھبرایا ہوا تھا کہ کہنے لگا ''کوہاٹ میں اگر شیشہ لیتا ہوں تو ایسا نہ ہو کہ کسی کو پتہ چل جائے''۔ ہائے! میرے دل کو جو چوٹ اس دن لگی وہ آج بھی تازہ ہے۔

وہ تو پشاور چلا گیا، رات دیر سے واپس پہنچا اور گاڑی کا شیشہ درست کر کے چلا گیا۔ مگر بندہ سوچتا رہا ایسا لگتا تھا جیسے مولوی صاحب نے میرے بیٹے کو ٹکر ماری ہو اور وہ وہاں بے یار و مددگار سڑک کے کنارے گھاس اور جھاڑیوں میں بے ہوش پڑا ہے، مر گیا یا جائے گا۔ کبھی دل میں سوچتا اے مولوی صاحب! اگر یہ تمہارا بیٹا ہوتا تو کیا اسی طرح چھوڑ کر جاتے۔ کبھی سوچتا لوگوں کو درس دینا، لوگوں کو صبح شام اللہ کا پیغام، عدل وانصاف سنانا، پڑھانا، ترجمہ کرنا، توحید اور وحدانیت بیان کرنا تو مولوی صاحب کرتا رہا، مگر آج توحید اور نفس کا مقابلہ آیا تو، تُو نے توحید کو پس پشت ڈال دیا، رب کے مقابلے میں مخلوق سے خوف کھا کر بھاگ نکلا۔ اب میں کیا فیصلہ کروں؟ کیا ہمارا ایمان اور اسلام بس ظاہری دستار، داڑھی اور جبہ ہی ہے؟ مخلوق سے اس طرح عیب چھپانا۔

فَلَا تُزَكُّوٓا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم: ۳۲)

ترجمہ: سومت بیان کرو اپنی خوبیاں۔ وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بچ کر چلا۔ (تفسیر عثمانی)

مولانا کا واقعہ ۲۰۰۷ء میں پیش آیا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ ۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء میں بندہ بیعت ہوا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۹ء سے بندہ خانقاہ آتا رہا اور شیخ صاحب کے مریدوں کے حالات ماہنامہ غزالی میں پڑھتا رہا اور کچھ سنتا رہا اور میں نے شیخ محترم ''اپنے محبوب شیخ'' سے وہ توحید سیکھی جو میرے پنج پیری دوست مولانا صاحب نے مدرسہ میں دس سال طالب علمی کر کے اور کئی سال توحید پر درس دے کر نہیں سیکھی تھی۔ میرے محبوب شیخ نے بتایا کہ پڑھانا بھی ہے، سنانا بھی ہے، سیکھنا اور سکھانا بھی ہے، مگر اصل تو عمل کرنا ہے۔

میرے شیخ نے بتایا کہ میں مریدوں کو بتاتا ہوں کہ صرف زبانی کہنا سننا ایمان نہیں بلکہ موقع پر اس کو برتنا ایمان ہے۔ دیانتداری، امانتداری، عدل وانصاف اور ایفائے عہد، یہ ایمان کے شعبے ہیں۔ توحید بولنا، توحید پڑھنا، توحید سکھانا اور بات ہے، اور توحید کو برتنا اور بات ہے۔ گھنٹوں گھنٹوں توحید پر بولنا آسان ہے مگر ایکسیڈنٹ کر کے ایک منٹ میں توحید پس پشت ڈال کر بھاگنا اور حق پر ثابت قدم نہ رہنا، یہ توحید کا امتحان ہے۔ یہ توحید جو میں نے اپنے شیخ محترم سے سنی، زندگی بھر نہ کسی مولوی سے سنی، نہ کسی مدرسے میں، نہ کسی درس میں۔

البتہ اس طرح کے واقعات غزالی رسالہ میں پڑھے کہ شیخ صاحب کے مریدوں سے لوگ ایکسیڈنٹ میں زخمی ہوئے، انہوں نے ہسپتال خود پہنچایا، علاج کرایا، اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کیا، زخمیوں کے والدین اور وارث اس درجہ متاثر ہوئے کہ فوراً معاف کر دیا۔ رب تعالیٰ نے دیانتداری کی وجہ سے سچ بولنے کی وجہ سے ان کا مسئلہ آسان کر دیا۔

جب یہ واقعات بندہ نے پڑھ لیے تو افسوس کیا، کاش ۲۰۱۱ء سے بہت پہلے سولہ سال کی عمر میں ہم ایسے شیخ سے بیعت ہوئے ہوتے۔ کاش! کسی مولوی نے ہمیں یہ بتایا ہوتا (باقی صفحہ نمبر ۶۴ پر)

رسم و رواج

(اصلاح خواتین از حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔ انتخاب: سارہ سید جماعت نہم)

بعض عورتوں نے مجھ سے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط لگا دی کہ رسمیں چھوڑ نا پڑیں گی۔ کہنے لگیں کہ میرے کچھ ہے ہی نہیں، نہ بال نہ بچہ، میں کیا رسمیں کروں گی۔ میں نے کہا کرو گی تو نہیں لیکن صلاح مشورہ تو ضرور دو گی۔ یہ پرانی بوڑھیاں رسموں کے معاملے میں گویا شیطان کی خالہ ہوتی ہیں۔ خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ جن عورتوں کی اولاد نہیں وہ خود کچھ نہیں کرتیں لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں۔ کوئی پوچھے تو اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے! اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلیٰ پر بیٹھ جاتی۔ کچھ فکر تو ہے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے خالی رکھا تھا۔ (کاش) وقت کی قدر جانیں مگر یہ ہرگز نہ ہوگا بس یہ مشغلہ ہوگا کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں، کسی کو رائے دے رہی ہیں، گویا یہ بڑی بنتی ہیں، بات بات میں دخل دیتی ہیں۔

یاد رکھو زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی۔ عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے۔ اگر خاموش ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے (تسبیح پڑھے) تو اس کی تو بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے۔ مگر باتیں کرنے کی جن کو عادت ہو جاتی ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے۔ خواہ ذلت خواری ہو، کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی ہانکنے سے کام۔ عورتیں اس کو سن کر کہا کرتیں ہیں کہ بیٹھ تو جائیں لیکن کوئی چین تو لینے دے۔ میں کہتا ہوں کہ تم اپنے منہ کو جب گوند لگا کر بیٹھو گی (یعنی بالکل خاموش رہو گی) تو کیا کسی کا سر پھرا ہے (کوئی پاگل ہے) جو تم سے مزاحمت (مقابلہ) کرے۔ زیادہ دنگا فساد اور گناہ بولنے ہی سے ہوتے ہیں۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں سے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو مرد اور عورتیں سب یاد رکھیں۔ لیکن آج کل مشکل یہ ہے کہ آنسو بہا لیں گے، آہیں بھر لیں گے اور سن کر کہیں

گے کہ بس جی ہمارا کیا ٹھکانہ ہے۔

صاحبو! ان باتوں سے کام نہیں چلتا۔ کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ بس کام کرو اور باتیں نہ بھگارو۔

رسوم و رواج کو ختم کرنے کے طریقے

(ا) ان رسوم کے ختم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سب برادری والے متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے خود موقوف کر دیں۔ دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا کریں گے۔ اسی طرح چند روز میں یہ طریقہ عام ہو جائے گا اور کرنے کا ثواب اُس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جایا کرے گا۔ (اصلاح الرسوم) دین دار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسموں کو کرے اور جہاں تقریب میں یہ رسمیں ہوں وہاں ہرگز شریک نہ ہو، صاف انکار کر دے۔ برادری کنبہ کی رضا مندی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے روبرو کچھ کام نہ آئے گی۔ (اصلاح الرسوم)

اس بات کا التزام کرلو کہ بلا پوچھے اور بے سمجھے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو تا کہ کمالِ ایمان میسر ہو۔ اسی کو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ترجمہ: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا ہوں۔'' (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں، ہم سے کہاں شریعت نبھ سکتی ہے۔ کیوں صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت تم یہ کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں، اس میں کیسے جائیں۔ شریعت کو ایسی ہولناک چیز فرض کر لیا ہے جو دنیا داروں کے بس کی نہیں۔ حالانکہ شریعت میں بہت وسعت ہے۔ (حقوق الزوجین)

رسم و رواج ختم کرنے کا شرعی طریقہ

رسوم و رواج میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے (کیونکہ) سینہ سے حرج (اثر) نکلتا نہیں مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے۔ اسی لئے اخراج حرج یعنی دل سے اس کی برائی ختم کرنے کیلئے

ایسا کرنے سے ضرور عنداللہ ماجور (اجر پانے والا) ہوگا۔اس کی نظیر میں حدیث شریف موجود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم نے ایک مرتبہ بعض روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا تھا۔ پھر فرماتے ہیں، ترجمہ: ''یعنی پہلے میں نے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کردیا تھا۔اب اس میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے۔ پھر اس کے باوجود منع فرمادیا تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں، تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کرسکیں گے اور گنہگار رہوں گے۔پس اجتناب کا یہی طریقہ ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقاً روک دیا جائے، جب طبیعتیں شراب سے بالکل متنفر ہوجائیں اور ذرا سے نشہ کو پہنچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔

اسی طرح ان رسموں کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت کو دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اور ان منکرات کو نہیں پہنچانتے جو ان کے ضمن میں پائے جاتے ہیں۔تو اس کے لئے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا سوائے اس کے کہ چند روز تک اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہوجائیں۔سو ہمارے امکان سے تو باہر ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا ہیں کہ اس کے سوا تدبیریں اختیار کرتے پھریں۔ جب تک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً (یعنی قرآن وحدیث) بھی ثابت ہوچکی ہے تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول (ہٹا جائے) کیا جائے۔(تطہیر رمضان)

رسوم کی مخالفت کرنے والا ولی اور اللہ کا مقبول بندہ ہے

بعض لوگ طعن و تشنیع (برا بھلا کہنا) کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس شخص میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کے ترک کرنے میں کسی کے تعن و تشنیع کا کبھی خیال نہ کرے گا۔اور گو باہمت مسلمان سے یہ کچھ بعید نہیں لیکن آج کل مخالفت عامہ کی وجہ سے ایسا شخص قابل تعریف ہے۔ ایسا شخص آج کا ولی اور اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔(العاقلات الغافلات)

تمام مسلمانوں کی ذمہ داری

ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے کہ ان سب بے ہودہ رسموں کو مٹانے پر ہمت باندھے اور دل وجان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں سادگی سے سیدھے سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے اس کے موافق اب پھر ہونے لگیں۔ جو مرد اور عورتیں یہ کوشش کریں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سنت کا طریقہ مٹ جانے کے بعد کوئی (اس سنت کے طریقہ کو) زندہ کرتا ہے اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔ (بہشتی زیور)

رسوم کی پابندی کرنے والے لعنت کے مستحق ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو رسم جاہلیت کو تازہ کرے۔ (ایک حدیث میں) رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اسلام میں آکر جاہلیت کا کام برتنا چاہے۔ مضامین مذکورہ کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اس بارے میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ کے لئے ان کفار کی رسوم کو چھوڑ دو۔ (اصلاح الرسوم)

اعلان

بندہ کے مریدین نے اگر انتیس (۲۹) روزے رکھے ہوں تو ایک قضا روزہ رکھ لیں کیونکہ ہمارے محلے سے رمضان کے چاند کی شرعی گواہی وصول ہوگئی تھی۔

اعتکاف

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت والا رحمہٗ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا زکریا صاحب کی قبر کو نور سے بھرے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں تربیتی اعتکاف کا ایک طریقہ رائج فرمایا۔ اس سلسلے میں مدینہ منورہ جیسی بابرکت جگہ سے نکل کر ایک مرتبہ پاکستان میں، ایک مرتبہ ہندوستان میں اور امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ میں اعتکاف کئے اور ہزاروں لوگ اس میں شامل ہوئے۔ ان اعتکافوں میں ذکر و عبادت کے علاوہ تربیتی بیانات اور تعلیمیں ہوتی رہیں جس سے شامل ہونے والوں کو بے پناہ فائدہ ہوا اور کئی صاحبِ علم اور استعداد والے لوگوں کو خلافتیں عطا ہوئیں۔

۱۹۸۹ء میں اپنے شیخ جناب حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی اجازت سے پشاور یونیورسٹی کی مدینہ مسجد میں بندہ نے اس طرز کا اعتکاف شروع کیا۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی دعا کی برکت اور حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کے طرز کی مقبولیت نے اثر دکھایا کہ جلد ہی ہمارے معتکفین کی تعداد ستر، اسی کو پہنچ گئی۔ یہ تربیتی اعتکاف انیس سال تک جاری رہا۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد بندہ اپنے ذاتی گھر منتقل ہوگیا۔ گھر کے پاس ہی مسجد اور خانقاہ تعمیر کر لی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ وہاں منتقل ہوگیا۔ اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ برخورداران پروفیسر قیصر اور پروفیسر الطاف نے یونیورسٹی میں سلسلے کو جاری رکھا۔ اب تین جگہ پر ہمارے سلسلے کا اعتکاف ہوتا ہے جس کی کارگزاری مندرجہ ذیل ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر قیصر صاحب

مسجد فردوس یونیورسٹی کیمپس پشاور میں یہ چھٹا اعتکاف تھا۔ معتکفین حضرات کی کل تعداد تقریباً ۸۲ تھی، جس میں ۷۰ مسنون اور ۱۲ کے قریب ساتھی نفلی اعتکاف والے تھے۔ تراویح میں ختم قرآن اور بیانات کے لیے آنے والے احباب اس کے علاوہ تھے۔

معتکفین حضرات کی اکثریت انجینئرنگ، میڈیکل اور پشاور یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ کی تھی۔ اس کے علاوہ بھی جو حضرات آئے تھے ان کا یونیورسٹی کیمپس سے کسی نہ کسی حوالے سے تعلق تھا۔ اس مرتبہ یونیورسٹی انتظامیہ کی جانب سے معتکفین کے کوائف کا مطالبہ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے اعتکاف کے لئے قواعد وضوابط سخت رکھے گئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ سنجیدہ لوگ اعتکاف کیلئے آئے اور پورا اعتکاف پرسکون گزرا۔ موبائل کے استعمال پر پابندی تھی جس کا ساتھیوں نے اہتمام کیا۔

اعتکاف کے دوران یہ معمول رہا کہ رات کو تقریباً ایک بجے تک تراویح پڑھتے جس میں دو ختم قرآن ہوئے، ایک پانچ دن کا اور دوسرا چار دن کا۔ تراویح کے بعد مختصر مگر بہت پرکیف مجلس ہوتی جس میں موقع کی مناسبت سے قرآن کی تعلیمات پر بات ہوتی اور نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا تذکرہ ''العطور المجموعہ'' کتاب سے پڑھ کر کیا جاتا۔ تعلیم کے بعد سحری ہوتی اور ساتھی تہجد پڑھتے اور تسبیحات اور مناجات میں مصروف رہتے۔ فجر کی نماز کی تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خطبات ''برکات رمضان'' سے تعلیم ہوتی جس میں بعض ساتھی شریک ہوتے۔ اشراق کے بعد سے گیارہ بجے تک آرام کرتے۔ ساڑھے گیارہ بجے سے ایک بجے تک بیان ہوتا۔ بیان کے لیے موضوعات کا انتخاب اس طرح کیا گیا تھا کہ دین کی بنیادی باتوں کا احاطہ ہو جائے اور چونکہ معتکفین کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی تھی تو ان کو ایسی رہنمائی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ جہاں بھی جائیں اپنے دین اور ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ جناب حسن خان صاحب، خلیفہ حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانی پشاوریؒ بھی ایک دن بیان کے لیے مدعو کئے گئے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد آدھ گھنٹہ تک روزمرہ کے اہم دینی مسائل کی تعلیم ہوتی جس کے لیے ڈاکٹر عبید الرحمٰن صاحب روزانہ باقاعدگی سے تشریف لاتے اور بہت محنت اور محبت سے ساتھیوں کو مسائل کی تعلیم دیتے۔ اس کے بعد عصر تک ساتھی آرام کرتے۔ عصر کی نماز کے بعد سارے ساتھی ذکر وتلاوت میں مصروف ہوتے اور مغرب سے تقریباً پون گھنٹہ پہلے ''تنبیہ الغافلین'' کتاب سے منتخب موضوعات کی تعلیم

شروع ہوتی جس کا اختتام جہری اجتماعی ذکر اور دعا پر ہوتا۔

حسبِ معمول اعتکاف کے آخری دن ساتھیوں کے تاثرات لئے گئے جن سے معلوم ہوا کہ تمام ساتھی بہت خوش رہے اور آئندہ سال شمولیت کا عزم وارادہ لے کر گئے۔

پروفیسر الطاف صاحب

گزشتہ سالوں کی طرح اللہ رب العزت نے اس سال بھی اعتکاف کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سال یونیورسٹی کی طرف سے پابندی کے نوٹس جاری ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اعتکاف شروع کر دیا۔ یونیورسٹی کو محسوس ہوا کہ کوئی سیکورٹی مسئلہ نہیں اس لئے انھوں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ دس ساتھی مستقل رہے اور باقی نفلی اعتکاف ادا کرتے رہے۔ بیس تا تیس کا مجمع ہوجاتا۔ اس ترتیب پر رہے کہ عصر کی نماز کے بعد تعلیم از تنبیہ الغافلین چالیس منٹ، پندرہ منٹ بیان یا کوئی سوال اور اس پر تفصیلی گفتگو، پھر بیس منٹ ذکر بالجہر چار تسبیحات کے ساتھ۔ لا الٰــہ الا الـلّٰـہ، الا اللّٰہ، اللّٰہُ اللّٰہ اور اللّٰہ۔ ذکر کے بعد دعا اور افطار۔ عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد لمبی تعلیم جو زیادہ تر ''العطور المجموعہ'' سے ہوتی۔ اس مجلس کے بارے میں ساتھیوں نے عجیب کیفیت اور عجیب تجربات بیان کئے۔ تیسری مجلس دن گیارہ بجے سے ایک بجے تک جس میں مختلف کتابیں پڑھائی گئیں۔ تعلیم کے بعد سورۃ یٰس کے ختم اور ختم خواجگانِ چشت کے بعد دعا۔ انفرادی طور پر تقریباً ہر ساتھی نے دو یا تین قرآن ختم کئے اور اکثر اوقات لمبے نوافل پڑھتے رہے۔ کچھ ساتھیوں کو خواب میں مبشرات بھی ہوئے۔ ایک ساتھی نے بتایا کہ اعتکاف کی برکت سے بدنظری پر قابو اور اس سے بچنے کی ترتیب بہت آسانی سے سمجھ آکر اب برت رہا ہوں اور انتہائی کامیاب ہوں۔ اس کے علاوہ شیطان کی چال اور ترکیب فوراً سمجھ میں آجاتی ہے۔ الحمدللہ! مختصر دورانئے میں عظیم الشان روحانی کامیابیاں ساتھیوں کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ سچ ہے سلاسلِ حق ایک عظیم نعمت اور دولت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کا لامتناہی فیض و برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

اعتکاف خانقاہ

بندہ کی خانقاہ میں یہ آٹھواں اعتکاف تھا۔تقریباً ۶۷ آدمی شریک ہوئے جن میں سے دو کا خانقاہ میں پورا چلہ تھا،اس میں ایک مدرسے کے طالبعلم اور ایک استاد تھے۔ یہ چلہ دس دن رمضان سے پہلے شروع ہو کر عید پر مکمل ہوا۔کچھ مدارس کے طلبا کا پورا مہینہ یا پندرہ بیس دن تھے۔باقی لوگ آخری دس دن میں شامل ہوئے۔۳۴،۳۵ حضرات چھے دن اور تین دن کی ترتیب پر چلے۔اس دفعہ خانقاہ میں سات ختم ہوئے۔ چار ختم روزمرہ تراویح میں ہوئے،ایک ختم ڈاکٹر سیار صاحب نے اوابین میں کیا اور دو ختم ۵،۵ دن کے اوپر کی منزل میں معتکف حافظ صاحبان نے اپنے شوق سے علیحدہ کئے۔مغرب کی مجلس تقریباً ۱۳۰ آدمیوں کی ہوتی تھی جبکہ سحری میں تقریباً ۱۰۰ آدمی شامل ہوتے۔

مجمع کی استعداد کے پیش نظر تربیتی ترتیب بہت آسان رکھی گئی۔ فجر کی نماز کے بعد ایک کتاب ''مُردوں سے ملاقات'' ماسٹر عزیز صاحب پڑھ کر سناتے رہے جس میں سارے معتکفین شامل ہوتے تھے۔گیارہ،ساڑھے گیارہ بجے سے لیکر دن سوا ایک بجے تک بیان ہوتا تھا جس میں اصلاحِ نفس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کیا گیا۔عصر کے بعد حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی فضائل رمضان سے تعلیم ہوتی تھی اور عشاء کے بعد حضرت شیخ کی فضائل درود شریف کے واقعات کی تعلیم ہوتی تھی۔

کچھ نوعمر لڑکے تراویح میں سستی دکھانے لگے۔ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ بندہ نے ڈانٹ ڈپٹ اس طرح کی کہ سفید ریش بوڑھے مریض تو خوب ہمت کے ساتھ کھڑے ہیں اور نوجوان بیٹھ رہے ہیں، یہ تو بہت شرم کی بات ہے۔اس پر سب مستعد ہوئے اور خوب ہمت کے ساتھ کام کرنے لگے۔ بندہ نے پہلے دن ہی سب سے عرض کر دیا تھا کہ میری سخت خوئی،تنقیدی مزاج،روک ٹوک اور ڈانٹ ڈپٹ کی عادت کو برداشت کرو گے،اور اس کی وجہ سے پہلے تین دن شامل ہونے والوں کو خوب کوفت ہوگی، درمیانی تین دن آپ مجھے برداشت کریں گے اور آخری تین دنوں میں آپ کا دل لگے گا، چنانچہ جب ساتھیوں سے تبصرہ کروایا گیا تو اللہ کا احسان ہوا کہ سب نے دوبارہ اعتکاف میں بیٹھنے کی تمنا کا اظہار کیا۔

(قسط۔۲)

سلام اور اس کے احکام

(قاضی فضل واحد صاحب)

اہمیت سلام کے بارے میں ارشادات نبوی

۱۔ جو سلام میں پہل کرے اس کو زیادہ ثواب ملتا ہے۔ (بہشتی زیور)

چنانچہ ارشاد ہے: اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَاَ بِالسَّلَام (ابو داؤد)

(ترجمہ) بیشک لوگوں میں اللہ جل شانہٗ کے ہاں بہترین وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

۲۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور ہر مسلمان کو سلام کرو چاہے تمہاری اس سے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔''

(بخاری، مسلم)

۳۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے اور اگر درخت یا دیوار یا پتھر بیچ میں اوٹ بن جائے اور پھر اس کے سامنے آئے تو پھر اس کو سلام کرے۔ (ریاض الصالحین)

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے قبل کی منجملہ علامات کے ایک علامت ہے سلام کا رواج خاص خاص دائرہ میں محدود ہو جانا۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص بڑا بخیل ہے جو سلام میں بخل کرے۔ (طبرانی معجم کبیر)

۶۔ طفیل بن ابی کعب رضی اللہ عنہٗ سے منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اکثر بازار میں صرف اس لئے جایا کرتے تھے کہ جو مسلمان ملے اس کو سلام کرکے ثواب حاصل کریں۔

(مؤطا امام مالک بحوالہ ماہنامہ سلوک واحسان شمارہ ۶ جلد ۴)

خلاصہ کلام فی اہمیت سلام

۱۔ اللہ جل شانہٗ کا حکم ہے

وَاِذَا جَآئَکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ (انعام:۵۴)

ترجمہ: اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتوں کے ماننے والے تو کہہ دے تُو سلام ہے تم پر۔

لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا (النور:۲۷)

ترجمہ: مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے

جب تک بول چال نہ کرلو اور سلام کرلو ان گھر والوں پر۔

فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ (النور:۶۱)

ترجمہ: سلام کہو اپنے لوگوں پر

۲۔ عادت اللہ بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡہُدٰی (طٰہٰ:۴۷) ترجمہ: اور سلامتی ہو اس کی جو مان لے راہ کی بات۔

سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ (یٰس:۵۸) ترجمہ: سلام بولنا ہے ربِ مہربان سے۔

سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ (الصٰفٰت:۷۹) ترجمہ: کہ سلام ہے نوح پر سارے جہاں والوں میں۔

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ (الصٰفٰت:۱۰۹) ترجمہ: کہ سلام ہو ابراہیم پر۔

سَلٰمٌ علٰی مُوۡسٰی وَہٰرُوۡنَ (الصٰفٰت:۱۲۰) ترجمہ: سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر۔

سَلٰمٌ عَلٰۤی اِلۡ یَاسِیۡنَ (الصٰفٰت:۱۳۰) ترجمہ: کہ سلام ہے الیاس پر۔

وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ (الصٰفٰت:۱۸۱) ترجمہ: اور سلام ہے رسولوں پر۔

وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی (النمل:۵۹) ترجمہ: اور سلام ہے اس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا۔

سَلٰمٌ عَلَیۡکَ (مریم:۴۷) ترجمہ: تیری سلامتی رہے۔

۳۔ حضرات انبیاء کرام علیہما السلام کی سنت ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ (ہود:۶۹)

ترجمہ: اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے سلام، وہ بولا سلام ہے۔

ہجرت کے بعد جو پہلا خطبہ آنحضرت ﷺ نے دیا اس میں یہ الفاظ بھی تھے افشوا السّلام الخ یعنی سلام کو پھیلاؤ۔ (ماہنامہ سلوک واحسان جنوری ۱۹۹۱ء)

۴۔ فرشتوں کی خصلت ہے

وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (الرعد:۲۳)

ترجمہ: اور فرشتے آئیں ان کے پاس ہر دروازے سے۔

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ (الزمر:۷۳)

ترجمہ: سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد:۲۴)

ترجمہ: کہیں گے سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا سو خوب ملا عاقبت کا گھر۔

۵۔ صالحین کا شعار ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم محض سلام کرنے کے غرض سے بازار جایا کرتے تھے۔

(ماہنامہ سلوک واحسان جنوری ۱۹۹۱ء)

۶۔ اہل جنت کی پکار

تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ (ابراھیم:۲۳) ترجمہ: اور ان کی ملاقات ہے وہاں سلام۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِیْمًا ۙ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا (واقعة:۲۵،۲۶)

ترجمہ: نہیں سنیں گے وہاں بکواس اور گناہ کی بات مگر ایک بولنا سلام سلام۔

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم:۶۲)

ترجمہ: نہ سنیں گے وہاں بک بک سوائے سلام

سلام کا شرعی درجہ

شرعی نقطہ نظر سے سلام کرنا سنت ہے۔ اگر مخاطب ایک ہو تو جواب فرضِ عین ہے اور اگر خطاب جماعت سے ہو تو اس کا جواب فرضِ کفایہ ہے یعنی اس جماعت میں سے بعض یا صرف ایک کا جواب بھی کافی ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ وغیرہ سے یہی منقول ہے۔ ابنِ عربی رحمہٗ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جان پہچان ہو تو سلام فرض ہے۔ اگر واقفیت نہ ہو تو سنت ہے۔ فَالسَّلَامُ فَرۡضٌ مَعَ الۡمَعۡرِفَةِ وَ سُنَّةٌ مَعَ الۡجَهَالَةِ اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر جان پہچان والے کو سلام نہ کیا جائے تو اس کے دل میں قدورت پیدا ہوگی۔ (احکام القرآن)

قرآن شریف کی آیت

وَاِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا

اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی

کہو الٹ کر۔ بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔ (النساء:۸۶)

کی رو سے سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ اگر بغیر کسی شرعی عذر کے جواب نہ دیا تو گناہگار ہوگا۔ (ماہنامہ سلوک واحسان شمارہ جنوری ۱۹۹۱ء)

تفسیر بحرِ محیط میں ہے کہ ابتدائی سلام تو اکثر علما کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اَلسَّلَامُ تَطَوُّعٌ وَ الرَّدُّ فَرِیۡضَةٌ“

(ترجمہ) ابتدائی سلام کرنے میں تو اختیار ہے لیکن جواب دینا فرض ہے۔ (معارف القرآن)

جماعت گزرے تو کسی ایک کا سلام کرنا کافی ہے۔ اسی طرح بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی ایک کا جواب دے دینا کافی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

مجلس میں آکر ایک بار بلند آواز سے سلام کرنا کافی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو نام بنام یا فرداً فرداً سلام کیا جائے اور اسی طرح جواب کے لئے بھی کسی ایک فرد کا جواب دینا کافی ہوگا۔

(رسالہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۸، صدیقی ٹرسٹ، محمد منصور الزمان صاحب)

سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے۔ (حوالہٗ بالا)

سلام کے بعد مصافحہ کرنا بھی سنت ہے۔ (حوالہٗ بالا)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تمہارے آپس میں سلام کی تکمیل (سلام کے بعد) مصافحہ کرنا ہے۔

(ترمذی بحوالہ منکراتِ عید از مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب، صدیقی ٹرسٹ سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۲۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رسول اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سلام کی تکمیل ہاتھ پکڑنا (یعنی مصافحہ کرنا) ہے۔'' (حوالہٗ بالا)

اقسامِ سلام

سلام استیذان: حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے

لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَہۡلِہَا (النور: ۲۷)

(ترجمہ) مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے جب تک بول چال نہ کرلو اور سلام کرلو ان گھر والوں پر۔

یعنی اول باہر سے سلام کیا جائے پھر اندر جانے کی اجازت طلب کی جائے۔ اس آیت شریفہ میں جس سلام کا ذکر کیا گیا ہے وہ سلام استیذان کہلاتا ہے۔ (ماہنامہ سلوک واحسان، جنوری ۱۹۹۱ء)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح اجازت چاہی ''أألج'' کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص استیذان کو نہیں جانتا۔ باہر جاکر اس کو طریقہ بتاؤ کہ پہلے کہے ''السلام علیکم أأدخلُ'' ابھی خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس شخص

نے حضور ﷺ سے یہ کلمات سن کر کہا: "السلام علیکم أأدخل" تو آپ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (حوالۂ بالا)

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا تَأذِنُوا لِمَنْ لَا یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ" یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ (معارف القرآن)

رخصت ہوتے رجاتے وقت سلام یا ''سلامِ وداع''

حدیث شریف میں آتا ہے ''جب میں سے کوئی مجلس میں جائے تو السلام علیکم کہے پھر جب وہ اُٹھنے لگے تو پھر سلام کرے کیونکہ پہلا سلام آخر کے سلام سے زیادہ ضروری نہیں۔'' (سنن ابی داؤد)

یعنی جس طرح آتے وقت سلام کرنا ضروری تھا اسی طرح جاتے وقت بھی ضروری ہے۔

(رسالہ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ'' سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۸، صدیقی ٹرسٹ، محمد منصور الزمان صاحب)

ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے: ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہئے اور جس طرح اول ملاقات کے وقت سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون ہے اور ثواب ہے۔ (معارف القرآن جلد دوم)

(جاری ہے)

(صفحہ نمبر ۵۰ سے آگے)

کہ بیعت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شکر ہے کہ آج یہاں خانقاہ میں بیٹھنا نصیب ہوا ہے اور اپنے شیخ جیسے مشفق روحانی باپ سے ہم لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ خدا کی قسم خانقاہ کے ایک ایک ساتھی سے دل کو سکون ملا بلکہ خانقاہ کو آنا اتنا پیارا لگتا ہے جیسے سخت گرمی ہو اور روزہ ہو اور بندہ پانی پینے کو افطار کے وقت انتظار میں ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین پر ثابت قدم رہنے اور دین پر چلنے اور منزل کو پہنچنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ کو بھی عافیت والی زندگی نصیب فرمائے۔ آمین۔

ملائشیا سے

(محمد مدثر مروت۔ پی ایچ ڈی سکالر)

Last Juma our Khateeb delivered khutba on Syrian crisis and Malaysian stance over the issue. He told about the history of Nusairi hias and Hafiz-ul-Asad's brutality and now Bashar -ul-Asad's heinous crimes against Ahl-e-Sunnah and the role of Iran in all of this disturbance. Very bold statements that we can't imagine in Pakistan from a government Khateeb.

This Juma a Malaysian NGO head visited our mosque and told us what Malaysian people are contributing for the muslims of Burma, Palestine, especially Ghaza and Syrian refugees. In first ashra of ramazan, the state of Johor Bahru and its people contributed one lac food ration packages in Syria and Masjid al-Aqsa. He termed it as muslim brethren and duty.

(ترجمہ) پچھلے جمعہ کی نماز میں ہمارے خطیب صاحب نے شام کے بحران اور اس مسئلے پر ملائشیا کے مؤقف بارے خطبہ دیا۔ انھوں نے نُصیری شیعوں کی تاریخ بیان کی اور اہلِ سنت کے خلاف حافظ الاسد کی درندگی اور اب بشار الاسد کے انتہائی وحشیانہ جرائم اور اس ساری لڑائی میں ایران کا کردار بیان کیا۔ ایسی بیباکانہ تقریر کی ہم پاکستان میں کسی سرکاری خطیب سے توقع نہیں کر سکتے۔

اس جمعہ کی نماز میں ملائشیا کی ایک (اپنی مقامی) این جی او کے سربراہ ہماری مسجد تشریف لائے اور انھوں نے ہمیں بتایا کہ ملائشیا کے عوام برما اور فلسطین کے مسلمانوں اور بالخصوص غزہ اور شامی مہاجرین کے لئے کیا کچھ کر رہے ہیں۔ رمضان کے پہلے عشرہ میں (ملائشیا کے صوبہ) جوہر بارو کی حکومت اور عوام کی طرف سے خوراک کے ایک لاکھ تھیلے شام اور مسجدِ اقصیٰ میں بطور امداد دیے گئے۔ انھوں نے کہا کہ یہی اسلامی بھائی چارہ اور ہمارا فرض ہے۔

نعت

پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر صاحب بفہ، ہزارہ، ریٹائرڈ پروفیسر اردو باذوق، باشرع، ذاکر شاغل شخصیت ہیں۔ ذیل میں ان کی ایک نعت ہے جو عشق رسول سے لبریز ہے اور فن کا شاہکار ہے۔

خزاں کا خوف انھیں کچھ، نہ غم بہار کا ہے
نصیب در جنھیں آقائے نامدار کا ہے

وہی امامِ رُسل ہیں وہی امام اُمم
انہی کے نام سے نسبت، سبب سدھار کا ہے

ہوا ہے اس لئے بھی آپ کا لقب اُمّی
کہ مولد آپ کا مرکز سبھی دیار کا ہے

فرشتے لیتے ہیں سر پر غبارِ کوئے رسول
کہ عرش رتبہ ہر ایک ذرہ اس غبار کا ہے

وصال و ہجر کی لذت سے بامراد ہے دل
مواجہہ پہ کھڑا لمحہ انتظار کا ہے

لطیف و نرم چلن ہے ہوا مدینے کی
کہے یہ تو کہ سماں موسمِ بہار کا ہے

نبی سے روح کا رشتہ علی سے رشتۂ خوں
انہی کے واسطے سے ربط چار یار کا ہے

پہنچ نظر کی نہیں ہے، خیال جا نہ سکے
معاملہ ہے یہ دل کا، یہ ربط پیار کا ہے

نفس نفس میں بھرے خوشبوئیں اخوت کی
محمد اسم ہی شاکر بھری بہار کا ہے